2/6/7

حضرت امام لاہوریؒ

کا

واقعۂ بیعت

حضرت شیخ التفسیرؒ ابھی چھوٹی عمر کے تھے کہ آپ کے والد نے مولانا سندھیؒ سے یہ کہہ کر اپنا بچہ اُن کے حوالے کر دیا کہ "مولانا! یہ بچہ میں نے دین کے لیے وقف کیا ہے اس کو قبول کیجئے" یہ بچہ مولانا مرحوم کی سرپرستی میں آگیا۔ مولانا مرحوم نے اپنے مرشد حضرت دینپوریؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت رحمہ نے مستقبل کے اس مفسرِ قرآن اور ولی کامل کے مخفی جوہروں کو فوراً اپنی بصیرتِ روحانی کے ذریعے معلوم کر لیا۔ شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور اللہ کے نام کی تلقین فرما کر سلسلہ قادریہ میں بیعت کر لیا۔ حضرت لاہوریؒ کی عمر اس وقت نو دس سال کی تھی۔ حضرت لاہوریؒ کی بیعت کا یہ واقعہ قریباً ۱۸۹۵ء کا ہے۔

(ملفوظات طیبات)

16-8-79

ہلالِ عید

حفیظ جالندھری

کر دیا شام نے تمام
دامنِ غرب لالہ فام
رنگ بھرے سحاب میں ڈوب گیا ہے آفتاب
چھپ نہ سکا نقاب میں خندۂ حسنِ بے حجاب
منظرِ باغ پُر بہار
اور فرازِ کوہسار
چادرِ آب جوئبار
ہو گئے سب طلانگار
نورِ شفق نے بھر دیئے رنگ سے کوہ سقف و بام
حسنِ نظر نے کر دیے دیدہ و روح شادکام
کر دیا شام نے تمام
دامنِ غرب لالہ فام
ہو گئی نرم رَو ہوا
محوِ سکوت ہے فضا
منتظرِ نوید ہے صبر و سکوں اُمید کا
ضبطِ دروں شہید ہے تیغِ ہلالِ عید کا
ہو گئی نرم رَو ہوا
محوِ سکوت ہے فضا
آج ہیں سب جوان و پیر
ایک لکیر کے فقیر
سرخ شفق کی ڈھال میں گڑ گئے بے شمار تیر
جستجوئے ہلال میں گُم ہیں کئی مہِ منیر
آج ہیں سب جوان و پیر
ایک لکیر کے فقیر

جوشِ خوشی سے یک بیک
بس گیا گنبدِ فلک
مسلمِ روزہ دار نے ختم کیا مہِ صیام
سازِ طرب کے ساز نے توڑ دیا سکوتِ شام
دیکھ رہا ہے آسماں
آج زمین کا سماں
دشت و جبل میں ناگہاں
گونج اٹھیں سلامیاں
سُن کے ترانۂ دعا وجد میں آ گئے ملک
چھا گیا ایک نور سا فرشِ زمیں سے عرش تک
جوشِ خوشی سے یک بیک
بس گیا گنبدِ فلک
مل گئی عید کی نوید
دیکھ لیا ہلالِ عید
ارض و سما میں دفعتاً بانگِ اذاں ہوئی بلند
ایک صدا میں دفعتاً ہو گئی ہر زبان بند
اک جہانِ پاکباز
کر کے وضو پئے نماز
دل کو کیے ہوئے گداز
جھک گیا پیشِ بے نیاز
بندہ اِدھر، اُدھر خدا لطف اُدھر، اِدھر اُمید
عجز اِدھر اُدھر عطا گفت اِدھر، اُدھر شنید
مل گئی عید کی نوید
دیکھ لیا ہلالِ عید

۲۶ر رمضان ۹۹ھ ✻ ۱۷ر اگست ۷۹ء
جلد ۲۶ ✻ شمارہ ۷

اس شمارے میں

رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مدیر منتظم : میاں محمد اجمل قادری
مدیر : محمد سعید الرحمٰن علوی

سالانہ ۶۰/- روپے ۔ ششماہی ۳۰/- روپے
سہ ماہی ۱۵/- روپے ۔ فی پرچہ [illegible] روپیہ

آؤ ــــ اپنی اصلاح کا عزم کریں!

وطنِ عزیز کو معرضِ وجود میں آئے ۳۲ سال پورے ہو گئے۔ ۱۴ر اگست ۴۷ء کو نقشۂ ارضی پر نمودار ہونے والی یہ مملکت اپنے قیام کے ۲۴ سال بعد آبادی کے اعتبار سے اکثریتی صوبہ سے محروم ہو گئی۔ تین مرتبہ اسے جنگ کے حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ جن میں سے تیسری جنگ (۷۱ء) انتہائی ہلاکت آفریں ثابت ہوئی۔ اس ملک کو بار بار فوجی نپتاؤں کا منہ دیکھنا پڑا جن میں سے پہلا موقعہ ۱۹۵۳ء کا تھا۔ جب ملک کے اقتدار پر پاکستان کی بانی جماعت مسلم لیگ کے بزرجمہروں کا قبضہ تھا اور انہوں نے ایک ہندی کذاب مرزا غلام احمد علیہ ما علیہ کے مرید باصفا اور عقیدت کیش ظفر اللہ خان، چودھری کو ملک کی وزارت خارجہ کا نگران بنایا ہوا تھا۔ اس ظفر اللہ کی آشیرباد پر غلام احمد کے نام لیواؤں نے وطنِ عزیز کو مرزائی اسٹیٹ بنانے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے اور مرزائیوں کے رسوائے زمانہ امیر جماعت بشیر الدین محمود نے جارحانہ زبان اپنائی تو ملک کے غیرت مند احرار نے آگے بڑھ کر پوری امت کو ایک مرکز پر مجتمع کیا اور خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے، غیرتِ ملّی سے عاری حکومت نے ظفر اللہ کی محبت میں ظلم و ستم کی جو گرم بازاری کی اس نے قرونِ مظلمہ کے دور کی یاد تازہ کر دی۔ اُدھر عدالت کے ایک رکن منیر نے انکوائری رپورٹ اس طرح مرتب کی کہ ہر غیرت مند سر پیٹ کر رہ گیا یہی وقت تھا جب فوج سامنے آئی لیکن اس کا مقصد بھی اہلِ حق اور مظلوم طبقہ کی داد رسی نہ تھی بلکہ ایک برخود غلط حکومت کے غلط کار نمائندوں کا تحفظ تھا

اس موقعہ پر مسلم لیگ کی جو ساکھ خراب ہوئی تو اب تک خراب ہی ہے اور بعض حضرات جو سادہ لوحی کے پیشِ نظر اس جماعت کے متعلق اچھے جذبات رکھتے تھے وہ بھی دل برداشتہ ہو گئے ——— تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ پھر ایوب خان مسیحا بن کر سامنے آئے۔ درمیانی دور میں غلام محمد اور سکندر مرزا کا یہاں طوطی بولتا رہا۔ یہ دونوں حضرات نوکر شاہی کے کل پرزے تھے لیکن سیاست دانوں نے انہیں بڑا بنا دیا۔ اور پھر ان کے ہاتھوں ملک و قوم نے جو زخم کھائے وہ ایک مستقل داستانِ الم ہے ——— ایوب خان کا ابتدا میں والہانہ انداز میں خیر مقدم کیا گیا لیکن بہت جلد دنیا نے دیکھا کہ ملک کے رسوائے زمانہ طبقات ہیں اور ایوب خان ہیں۔ حتیٰ کہ "عشرۂ ترقی" منانے کی سکیم کا اعلان ہوا اور اس تجویز کے ضمن میں ملک کا کروڑوں روپیہ برباد کر دیا گیا۔ ایوب خان بسترِ مرگ پر تھے اور یار لوگ انہیں خوش کن خبریں سنا رہے تھے۔ انہوں نے رخصت ہوتے ہوئے ایک اور فوجی کا سہارا لیا جو شراب و شاہد کا رسیا تھا اور اس کے مشیر خان عبدالقیوم خان جیسے بے ضمیر لوگ تھے۔ وہ فوجی نیتا انتخاب کے بعد بھٹو کی زلفِ گرہ گیر کا شکار ہو کر ملک و قوم اور خود پاک فوج کی رسوائی کا باعث بنا اور اس کا لاڈلا بھٹو فوج کے چھاتہ میں سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے سامنے آیا۔ اس کا دور جیسا کیسا تھا اس سے ہر کوئی باخبر ہے اور اب ہم دو سال سے پھر فوجی انتظامیہ کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہ حضرات ملک و قوم کو جہاں لے آئے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے۔ کہ جو اہلِ سیاست کل ان کے حلیف تھے آج وہ بھی شکوہ کناں ہیں اور یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ "ان کی وجہ سے مسائل بڑھ گئے ہیں" اور یہ کہ "ان کی زکوٰۃ کمیٹیوں میں شامل ہونے والے اسی طرح پچھتائیں گے جس طرح اتحادی وزراء پچھتا رہے ہیں"۔ اس سیاسی افراتفری کے ساتھ ملک کی اقتصادی صورتِ حال کو دیکھیں تو آج کوئی سبزی ۴/۵ روپے سیر سے کم نہیں ملے گی اور رمضان کی بابرکت ساعتوں میں کوئی پھل ۶/۸ سے لے کر ۱۲/۱۵ روپے سیر سے کم میں دستیاب نہیں۔ گھی، آٹا، دال، چینی اور گوشت جیسی بنیادی ضروریات کی چیزوں نے صارفین کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ لوگوں میں حرام خوری اور ناجائز نفع کی جو رسم بد سرایت کر چکی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ لاہور منڈی سے چھ روپے کیلو لیموں لے کر بازار میں ۱۴/۱۴ روپے سیر تک فروخت کئے جاتے ہیں ——— رہ گئے وہ عناصر جو ان حرام خوروں اور ناجائز نفع کمانے والوں کے احتساب پر مامور ہیں وہ خود مستحقِ احتساب ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ ان کی موجودگی اصل بربادیوں کا باعث ہے۔ عدالت کے پیچیدہ اور طول طویل نظام کا سامنا ایک غریب مظلوم نہیں کر سکتا ڈاکٹر صاحبان کی گراں بہا فیسوں کے سبب دکھی انسانیت علاج سے محروم رہتی ہے۔ تعلیم اتنی مہنگی ہے کہ عام آدمی اپنی اولاد کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ الغرض ایک رونا ہو تو رویا جائے اصل بات یہ ہے کہ جس تصور و نظریہ کی بنیاد پر ملک کا بٹوارہ ہوا تھا اس کو روزِ اول سے نظر انداز کیا گیا۔ دو قومی نظریے کے علمبرداروں نے پاکستان بنتے ہی پاکستانیوں کو ایک قوم بننے کا سبق دینا شروع کر دیا اور اس معاملہ

میں ہندو مسلم سکھ عیسائی پارسی کی کوئی تمیز روا نہ رکھی اور اس طرح اپنے ہی نعروں اور پروگرام کی نفی کی ـــــ بعد از خرابیٔ بسیار قرار داد مقاصد منظور ہوئی تو وہ ردّی کی ٹوکری کی نذر ہو گئی ۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۷۳ء تک متعدد آئین بنے عمل کسی پر نہ ہوا اسلام اسی طرح اپنے نام لیواؤں کی دہائی دیتا رہا اور اب حالت یہ ہے کہ جسد اسلام زخموں سے چُور چُور ہے۔ اخلاقی قدروں کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔ دین کا ادب و احترام مفقود ہوتا جا رہا ہے اور لوگ ہیں کہ اسلامی فرائض کے معاملہ میں گالی بکنے سے گریز نہیں کرتے ـــــ شرعی سزاؤں کا مسئلہ نا اہل لوگوں کا شکار ہو کر اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے اور زکوٰۃ و عشر کا معاملہ بددیانت اور ٹاؤٹ نما قسم کے لوگوں پر مشتمل زکوٰۃ کمیٹیوں کے افراد کے ہتھے چڑھ کر اپنی ترت پھرت سے محروم ہوتا نظر آ رہا ہے۔ دفتری حد تک نماز کا اعلان بصورت ترغیب ہوا لیکن اس سے بددیانتی کو فروغ ملا کہ یار لوگ نماز کے بہانے دفتر سے نکل کر گھر جا گھستے اور دفتر خالی ہو جاتے اور اب ہر طرف خاموشی اور سناٹا ہے ـــ خدا لگتی ہے کہ مخصوص قسم کے کے اخباروں کے مخصوص پروپیگنڈا کے علی الرغم روزہ اور تراویح کی جتنی بے حرمتی امسال ہو رہی ہے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

یہ تمام صورتِ حال گہرے غور و فکر کی متقاضی ہے ہمیں اپنا محاسبہ و احتساب کرنا چاہیئے۔ میر و وزیر سے لے کر فقیر تک سب کو الیکشن و احتساب کی فکر ہے لیکن قوم کے اخلاقی بگاڑ اور فکری تنزل کی کسی کو فکر نہیں۔ "فقراء" کا ایک ٹولہ پی۔پی۔پی ٹائپ کی مخصوص مخلوق کے شانہ بشانہ مساجد میں دنگا فساد کو مذہب کی خدمت سمجھ رہا ہے اور انتظامیہ ہے کہ ان اعمالِ بد کو خاموش تماشائی کی حیثیت سے نہیں بلکہ مخصوص قسم کی جانبداری سے دیکھ رہی ہے اور کوئی نہیں سوچتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا ـــــ خوش قسمتی سے رمضان اور اگست اکھٹے ہو گئے ہیں۔ غیرتِ ملّی کا تقاضا تو یہ تھا کہ یوم پاکستان ۲۷ رمضان کو منایا جاتا لیکن جو اپنے دورِ استبداد میں ہمیں فکری گمراہی کا شکار کر گئے ہیں ان کی تقلید کے پیشِ نظر ۱۴ اگست کو ہی ہم نے یہ دن منانا ہے تو پھر بھی امسال رمضان میں ہی منانا ہوگا ـــــ اربابِ اقتدار اور سیاسیین اس موقعہ پر لمبی چوڑی تقاریر کریں گے۔ کچھ لوگوں کو میڈل اور تمغے ملیں گے لیکن اس دن وہ معصوم روحیں ہم سے سوال کریں گی کہ اسلام کہاں ہے؟ وہ معصوم روحیں جو بٹوارہ کے وقت غیروں کی بربریت اور اپنوں کی بے تدبیری کا شکار ہو گئیں ان معصوم روحوں اور سب سے بڑھ کر اپنے خدا کو جواب دینے کے لیے ہمیں اس دن کچھ سوچنا ہوگا۔ اس ماہ مبارک کی برکات کے بھی کچھ تقاضے ہیں پھر فتح بدر و فتح مکہ جیسے عظیم ملّی واقعات ان ایام سے وابستہ ہیں نزول ملائکہ کا مسئلہ ایک مستقل قرآنی حقیقت ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اپنی روش کب بدلیں گے۔

اے وہ لوگو! جو تخت اقتدار پہ براجمان ہو آج کے دن سوچو کہ اس ملک کی بقاء و استحکام کیونکر ممکن ہے۔ جو خدا بابل و نینوا کی تہذیبوں کو تاریخ کا حصّہ بنا سکتا ہے وہ تمہاری مزعومہ پاکستانی تہذیب کو بھی افسانۂ ماضی بنا سکتا ہے۔

(باقی ۹ پر)

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب
ڈاکٹر منظر حسین نظر

روزہ
اللہ کی طرف سے بندہ کے لیے شاہی لباس اور الٰہی صفات سے متصف ہونے کا ذریعہ اور انعامِ عظیم ہے

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہم ○

الحمد للہ و کفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ؛ امّا بعد : فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛

یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۝

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

مسلمان کا مقصدِ اصلی

حضراتِ محترم! ہر مسلمان اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا اصل مقصد یہی ہے کہ بندے کا خدا تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جائے۔ ہم خدا سے محبت کریں اور خدا ہم سے محبت کرے۔ ہم اس کو دوست سمجھیں اور وہ ہم کو اپنا دوست بنائے۔ ہم اس سے تعلق جوڑیں اور وہ ہمارا ہو جائے۔ ہم غیر اللہ سے نظر ہٹا لیں اور وہ ہماری نگاہوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹا دے اور ہماری حالت یہ ہو جائے والذین اٰمنوا اشد حباً للہ۔

جب مقصد متعین ہو گیا اور ایک مسلمان کو معلوم ہو گیا کہ اس کے مسلمان ہونے کا منشاء کیا ہے اور اس کا مقصود کیا ہے تو حصولِ مقصد کے لیے اُسے اپنی تمامتر کوششیں صرف کرنا ہوں گی۔

ارشادِ ربانی ہے :-

یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (مائدہ)

سچے بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اُن سے محبت کرتا ہے۔

محبت الٰہی کی شائستگی کیسے بندوں کو حاصل ہے؟

خود قرآن کریم کی صراحت ملاحظہ ہو :-

۱- ان اللہ یحب المحسنین (بقرہ)
اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

۲- ان اللہ یحب المقسطین (مائدہ)
عدل و انصاف کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

۳- ان اللہ یحب المتقین (توبہ)
تقویٰ والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

۴- ان اللہ یحب التوابین (بقرہ)
رجوع الی اللہ کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

۵- واللہ یحب الصابرین (آل عمران)
صبر کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

۶- واللہ یحب المطھرین (توبہ)
پاک صاف رہنے والوں ؛

طہارت والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ احسان توبہ، قسط، تقویٰ اور صبر کے اوصاف اپنے اندر جمع کر لینا اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے

احسان، توبہ، قسط، تقویٰ اور صبر کے معنی

احسان، ایمان و اخلاص اور حسن عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ قسط کے معنی عدل و انصاف کے ہیں۔ تقویٰ، خوف خدا کو دل میں جاگزیں کرکے پرہیزگاری اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ہر گفتگو اور اپنے ہر عمل و فعل میں احتیاط اور نگہداشت سے کام لے، جو کام بھی کرے اس میں اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس رکھے اور ہر عمل اور ہر حرکت میں اس کا خیال رکھے کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے اور اس کے بارے میں اس سے بازپرس ہوگی۔ توبہ گناہوں پہ ندامت اور رجوع الی اللہ کو کہتے ہیں صبر، دل کو گریہ زاری سے، زبان کو شکوہ سے اور جوارح کو بے قراری سے روک لینا ہے اور طاہر، پاک و صاف رہنے والوں کو کہتے ہیں۔

مذکورہ ارشاداتِ ربّانی سے صاف واضح ہے کہ قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کی جانب رغبت و التفات کے افعال و صفات منسوب کئے ہیں۔ نیز دیگر متعدد مقامات پر ناپسندیدگی اور بیزاری کے صفات بھی مذکور ہیں جس سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ اسلام کا خدا، قرآن کا خدا ہر معنیٰ میں ایک زندہ خدا، بیدار، متحرک اور فعال خدا ہے۔ خوش بھی ہوتا ہے ناخوش بھی۔ مخلوق کو محبوب بھی رکھتا ہے، مبغوض بھی۔ صلہ بھی دیتا ہے اور سزا بھی۔ پس ایک مومن قانت کا فرض ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے مالک و خالق اور پالنہار کو راضی رکھے۔ اور اس کی محبت کو اپنی طرف کھینچے۔

روزہ اللہ کی محبت کو کھینچنے کا تمام سامان اپنے اندر رکھتا ہے

اللہ جن لوگوں سے محبت کرتا ہے اور جن اوصاف کی وجہ سے کرتا ہے ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اب اگر ان صفات کو سامنے رکھا جائے اور رمضان المبارک کے روزوں پہ نظر ڈالی جائے تو روزہ دار کو ان تمام صفات سے متصف ہونے کی مشق کرائی جاتی ہے۔

ایمان و اخلاص اور حسن عمل جو ایمان و اسلام کی روح اور حاصل ہے روزہ ان کی پوری مشق کراتا ہے۔ جہاں تک صفتِ ایمان کا تعلق ہے فرضیتِ روزہ کا حکم دیتے ہوئے خود خداوند قدوس نے "یاایہا الذین امنوا" اے ایمان والو! کے محبت بھرے لقب سے روزہ داروں کو خطاب کیا ہے کیونکہ روزہ فقط وہی رکھ سکتا ہے جس کے اندر ایمان ہو۔ ایمان کے بغیر کون ہے جو سارا دن فاقہ کشی کر سکتا اور اعضاء و جوارح کو احکام الٰہی کا پابند بنا سکتا ہے۔

جہاں تک خلوص اور حسن عمل کا تعلق ہے، صبر و تقویٰ، عدل و انصاف، توبہ و انابت اور طہارت و کیفیتِ احسانی کا تعلق ہے تو اس میں روزہ منفرد حیثیت رکھتا ہے

ہر عبادت ظاہر ہے

نماز، زکوٰۃ، حج، تلاوت تمام عبادات ظاہر ہیں مگر روزہ پوشیدہ عبادت ہے۔ سوائے روزہ دار اور مولا کریم کے کسی

کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ کوئی روزہ دار ہے یا نہیں ۔۔۔ چنانچہ یہی ایک عبادت ایسی ہے جس میں ریا یعنی دکھاوے کا شائبہ تک بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے یہ عبادت سرتا سر اخلاص ہی اخلاص ہے۔

روزہ اور اخلاقِ الٰہی

سب سے بڑھ کر روزہ کی خصوصیت اور انفرادیت اس اس حیثیت سے ہے کہ روزہ دار کو اخلاقِ الٰہی کے ساتھ مناسبت اور مشابہت پیدا ہو جاتی ہے بھوک اور پیاس سے بے نیازی، صبر و ضبط، حلم و تحمل، عفو و درگزر، قوت و اختیار، یہ سب شانیں حق تعالیٰ سبحانہٗ کی ہیں، بندہ کی ہرگز نہیں۔ آسمان کے فرمانروا کی ہیں۔ خاک کے پتلے کی نہیں۔ لیکن روزہ دار "تخلقوا باخلاق اللہ" کے مصداق ان تمام اخلاقِ الٰہی سے ایک خاص وقت کے لیے متصف ہو جاتا ہے۔

مزید برآں یہ اصول بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ دو چیزوں کے باہمی تعلق میں کوئی مشارکت ہونی چاہیے۔ اللہ سے محبت کرنے اور اس کا محبوب بننے کے لیے بھی ظاہر ہے باہمی تعلق میں کوئی مشارکت ضرور ہونی چاہیے تھی ۔ لیکن ایک طرف خاک کا پتلا ہے جو اگرچہ خلق اور امر کا مجموعہ ہے مگر جملہ عیوب سے ملوّث ہے اور اس کا وجود ہی اس کے لیے کبیرہ گناہ ہے۔

کھانا پینا، بول و براز، جسمیّت، جوہریّت و عرضیّت امکان و فنا اور ہزاروں عیب ہیں جو بندۂ خاکی میں ہیں۔ دوسری طرف وجوب ہے، بقاء ہے اور جملہ عیوب سے تنزیہہ ہے، سرتا سر پاکی ہے اور وہاں کسی قسم کے نقص کا شائبہ بھی کفر صریح ہے۔

اب اس قسم کی دو ہستیوں کا باہمی تعلق کیونکر ممکن ہے؟ دونوں میں ربط کیونکر ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے اب یا تو وجوب کو امکان کی طرف مائل کیا جائے اور یا امکان کو وجوب کی جانب بلند کیا جائے۔

پہلی صورت یعنی وجوب کو امکان کی طرف مائل کرنا تو یہ یقیناً محال ہے۔ واجب الوجود کا امکانی صفات سے متّصف ہونا قطعی اور یقیناً حرام ہے۔ خدا کا خدائی کے مرتبہ سے نیچے آنا کوئی بیوقوف احمق اور کافر ہی ایسا سوچ سکتا ہے، کوئی صاحب ایمان اور عقلمند ہرگز اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ امکان کو واجب بالغیر بنایا جائے اور امکان کو واجب کی جانب مقدور بھر بلند کیا جائے۔ بندے کو خدائی صفات سے متصف بنا کر خدا سے قربت کے لیے مناسبت پیدا کی جائے چنانچہ یہ ہرگز محال نہیں۔ امکان کو وجوب کا لباس عطا کر دینا اور چادر اوڑھا دینا وجوب کی عادت ہے۔ ایک انسان کی ذلت اور عزت سے اور فنا کو بقا سے، احتیاج کو اختیار سے بدل دینا قادر کریم اور مولائے ذوالجلال کا عام کرم ہے جو خاص بندوں سے گزر کر عام اہل جنّت کو بھی عطا ہوگا۔ چنانچہ جنّتیوں کے وصف میں فرمایا گیا ہے "لھم فیھا ما یشاءون ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم" حالانکہ یفعل ما یشاء اور اذا اراد شیئًا ان یقول لہٗ کن فیکون واجب کی صفت ہے۔

روزہ وجوب کا لباس اور الٰہی صفات سے متصف ہونے کا نام ہے

پس روزہ وجوب کا لباس ہے۔ جو ممکن کو حسبِ استعداد پہنایا گیا ہے، اور بندے کو بارگاہِ صمدیّت کی طرف سے اس خلعتِ فاخرہ سے نوازا گیا ہے اور امکان کو وجوب تک جتنا بلند کیا جا سکتا ہے کیا گیا ہے اسی لیے ہم سے خداوند قدوس فرماتے ہیں۔ اے بندے! ہم کھانے سے پاک ہیں تو بھی کھانا چھوڑ دے، ہم پینے سے پاک ہیں تو بھی پینا چھوڑ دے، ہم بیوی سے پاک ہیں تو بھی چند گھنٹوں کے لیے بیوی سے علیحدہ ہو جا تاکہ تجھ میں اور مجھ میں ایک مناسبت پیدا ہو جائے جو باہمی تعلق قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ پس روزہ الٰہی صفات سے متصف ہونے کا نام ہے۔ بندے کو بلند کر کے خدائی صفات کا رنگ دے دیا گیا ہے تاکہ خالق سے محبت کے تعلقات قائم ہونے میں آسانی ہو جائے۔ پس

روزہ کی حقیقت

یہ ہے کہ ایک غلام جس کو بادشاہ اپنے قرب میں بٹھانے کا آرزومند ہے اُسے شاہی لباس عطا کر دیتا ہے تاکہ آدابِ شاہی بھی پورے ہو جائیں اور غلام کو دربارِ ملوکیت میں لذّتِ قرب بھی نصیب ہو جائے۔

پس اے برادرانِ اسلام!

روزہ خالق کی طرف سے بندے کے حق میں بہت بڑا اعزاز اور شاہی لباس ہے جس میں بے انتہا عظمتیں چھپی ہوئی ہیں۔ اس لیے روزہ کو اس کے لوازمات کے ساتھ پورا کیجئے اور اس عظیم انعام و کرمِ خداوندی سے مکمل فائدہ اٹھائیے۔

وما علینا الا البلاغ۔

بقیہ: اداریہ

ماضی کا افسانہ بننے سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے رب کے ساتھ کئے گئے عہد کو پورا کرو اور دینِ اسلام کو بصورتِ عمل نافذ۔

اے وہ لوگو! جو کسی بھی دائرہ میں مصروفِ عمل ہو آج کے دن اپنے اعمال کا جائزہ لے کر اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ اپنے رب کے حضور توبہ کرو۔ آئندہ کے لیے عملِ صحیح کا عزم کرو۔

تم سب رب محمدؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کی اگر تم نے سچے دل سے توبہ کر کے مالک الملک کے آستانہ پر جبینِ نیاز کو جھکا لیا تو پچھلے جرائم معاف ہو جائیں گے اور آئندہ کو تم دنیا کی باوقار قوم بن جاؤ گے۔

ورنہ

ہمیں خطرہ ہے کہ ۱۴ر اگست ۱۶ر دسمبر کی طرح یومِ ندامت نہ بن جائے — اللہ تعالیٰ ہمیں مکافاتِ عمل سے بچائے۔

علوی ۱۹ رمضان ۱۳۹۹ھ
۱۴ اگست ۱۹۷۹ء

اور ہم دیکھا کئے!

ریڈ کلف ایوارڈ سے تقسیم ہندوستان ہُوا
ایک لنگڑا اور لُنجا ہم کو پاکستان مِلا
اور ہم دیکھا کئے!

ایک بازو مغربی بنگال بن کر کٹ گیا
ایک پاؤں مشرقی پنجاب ہو کر کٹ گیا
اور ہم دیکھا کئے!

دوسرے ہی سال رخصت قائدِ اعظم ہوئے
دشمنوں کے گھر خوشی اپنوں کے گھر ماتم ہوئے
اور ہم دیکھا کئے!

بن گئے مفرورِ ملّت پھر ہمارے رہنما
ہو گیا گم زندگانی کا حقیقی مدعا
اور ہم دیکھا کئے!

دیکھ کر یہ حال بدلیں کروٹیں کفّار نے
کر دیا دکن پہ حملہ لشکرِ جرّار نے
اور ہم دیکھا کئے!

تیسرے ہی سال جونا گڑھ گیا، جمّوں گیا
قائدِ ملّت بھی آخر قوم پر قرباں گیا
اور ہم دیکھا کئے!

مسجدوں پر ہو گئے تعمیر تازہ سومنات
جنّتِ کشمیر پر قابض ہوئے لات و منات
اور ہم دیکھا کئے!

بھاگڑہ ننگل بنا، ستلج کا رُخ بدلا گیا
تاکہ ارضِ پاک بن جائے جزیرہ ریت کا
اور ہم دیکھا کئے!

جو بھی تھے سقراط پیالے زہر کے پیتے رہے
سرمد و منصور پھانسی پا کے بھی جیتے رہے
اور ہم دیکھا کئے!

قوم نے پھر نصف پاکستان واپس کر دیا
قائدِ اعظم کا یہ احسان واپس کر دیا
اور ہم دیکھا کئے!

رہنما یوں جشنِ آزادی مناتے ہی رہے
قافلے لٹتے رہے۔ یہ مسکراتے ہی رہے
اور ہم دیکھا کئے!

کب تلک دیکھا کرو گے وقت کی رفتار کو   روک سکتے ہو تو روکو کفر کی یلغار کو

اب تو ہم کو نوح کا طوفان لانا چاہیئے
یومِ استحکامِ پاکستان منانا چاہیئے

۱۹۸۰

اب تو سن انیس سو اسّی کا سرآغاز ہے   یومِ آزادی کا یہ بتّیسواں اعجاز ہے

حکمِ پیغمبر کی یوں تعمیل کرنا چاہیئے
ارضِ پاکستان کی تکمیل کرنا چاہیئے

آزاد شیرازی، [illegible] لاہور

۱۴/۱۱ اگست ۱۹۷۹ء

قسط ۲

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب قاسمی مدرس دارالعلوم عید گاہ کبیر والا

جہاد بالنفس اور بالمال کا تذکرہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں فرمایا جاھدوا باموالکم وانفسکم کہ اپنے اموال کو خرچ کرکے اور اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر دینِ خداوندی کی حفاظت کرو۔ واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے جہاد بالنفس سے باموالکم کو پہلے بیان فرمایا کیونکہ دینِ خداوندی کی سربلندی اور حفاظت کے لیے ہر شخص جان پیش کرنے کا اہل نہیں لیکن مال خرچ کرنا تو ہر ایک کے لیے ہوسکتا ہے اور جہاد باللسان کا تذکرہ حدیثِ مبارک میں ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاھدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم (رواہ ابوداؤد) جہاد لسانی کی مثال جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے منبر پر بٹھا کر توصیف اسلام اور مذمت کفار و مشرکین پر شعر سنتے تھے اور حضرت حسان کو تائیدِ خداوندی اور روح الامین کی دعائیں فرماتے اور قلمی جہاد جیسے محدثین کرام نے احادیث نبوی کو جمع کرکے امت تک پہنچایا۔ مفسرین نے آیاتِ جہاد کی تفسیری وضاحت کے ساتھ ترغیب جہاد دلائی اور دلائل و براہین کے ساتھ مخالفین و دشمنانِ اسلام کے غلط الزامات اور بیہودہ اشکالات کے شافی و وافی جواب جوابات دے کر امت مسلمہ کو مطمئن کیا اور مخالفین کو قبول حق کے لیے آمادہ کیا۔ غرضیکہ یہ سب جہاد کی قسمیں ہیں اور موقع محل پر ہر قسم اہم اور ضروری ہو جاتی ہے۔

پس اے علوم دینیہ کے زاویہ نشینو! اس وقت ہر قسم کے جہاد کی سخت ضرورت ہے ہمیں ہر قسم کی روکاوٹوں، مزاحمتوں موانع کے باوجود نکلنا ہے جب کہ خدا تعالیٰ نے ھواجتبٰکم فرمایا کہ میں نے تمہیں چن لیا ہے جب محبوب کہہ دے کہ میں نے تمہیں چن لیا ہے تو جان دینے میں کونسی رکاوٹ ہے۔ مصائب و شدائد کا بہانہ ڈھونڈنے سے قبل تسلی دے دی کہ قدم تو اٹھاؤ باہر تو نکلو ما جعل علیکم فی الدین من حرج کہ دین میں تنگی ہی نہیں یا تو واقعتاً ہی تنگی نہیں یا ہے لیکن محسوس نہیں ہوگی۔ دشمن جب کسی کی ہڈی توڑے اسے بھی تکلیف ہوگی دوست محبت میں دبائے تب بھی درد ہوگا لیکن فرق ہوگا کہ دشمن کا کلیجہ چبانے کو جی چاہے گا لیکن دوست اگر کہہ دے کہ تکلیف ہو رہی ہے تو چھوڑ دوں تو وہ کہے گا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یہی تو لطف تھا عشق حبیب میں جان دینے کا جسے نبی کریم فداہ ابی و امی فرماتے ہیں والذی نفسی بیدہ لوددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل متفق علیہ۔ رسول پاک نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس

کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں جان و دل سے اس خیمہ کو محبوب رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں۔ گویا ان کشتگانِ خنجر تسلیم کے نزدیک محبوب کے راستہ میں جان دینا زندگی سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخری دفعہ قتل کیے جانے کے بعد زندگی کی تمنا نہیں فرمائی۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو

دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

آخر یہی لذت تھی کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب پھانسی کے تختہ پر کھڑا کیا گیا۔ کسی کافر نے نیزہ سے زخمی کیا، کسی نے خنجر کی نوک چبھوئی، کسی نے چھری ماری، کسی نے تیر چلایا کسی نے تلوار سے زخم دیے جب پورا جسم زخموں سے چھیدا جا چکا تو دشمن نے خوشی کے عالم میں پوچھا کہ سناؤ خبیب اب کیا حال ہے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اب تو چاہتا ہوگا کہ کاش میں اس کے تابع ہوتا بلکہ آج میری جگہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اب تو چاہتا ہوگا کہ کاش میں اس کے تابع ہوتا بلکہ آج میری جگہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا تو یہ سنتے ہی حضرت خبیبؓ کے آنسو جاری ہو گئے۔ دشمن سمجھا کہ اب محبت نبوی کمزور ہو چکی ہے ابھی اسلام سے منحرف ہو جائے گا لیکن حضرت خبیبؓ نے سنبھل کر جواب دیا او اللہ کے دشمن میں زخموں کی تکلیف سے نہیں رویا بلکہ میں اس صدمہ سے رویا ہوں کہ تم نے میرے ایمان کو اتنا کمزور سمجھ لیا کہ آج میں نعوذ باللہ اپنی اس پھانسی کی جگہ اپنے محبوب کے وجود کی تمنا کروں۔ خدا کی قسم میں کئی مرتبہ اپنا مرنا اور قتل کیا جانا تو پسند کر لوں گا لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک میں کانٹا چبھنا بھی گوارا نہ ہوگا لہٰذا لذتِ جہاد سے معمور ہونے کے لیے سب سے پہلے ہم اپنے ایمان کو کسوٹی پر رکھیں کہ کیا خدا اور رسول پر ہمارا ایمان بھی مضبوط ہے یا نہیں۔ اگر خدا و رسول کی راہ میں ہماری نفسانی خواہشات ہمارا راستہ روک رہی ہیں اور ان کی روک ہمارے قلبی رجحانات پر مؤثر ہو رہی ہے تو یقین کر لیں کہ ایمان کا نشیمن ابھی ہمارے اندر نہیں بسا۔ اگر اللہ و رسول کے احکام کی راہ میں مال خرچ کرنا ہمیں دوبھر ہو رہا ہے اور بہر صورت مال بچانے کی کوشش جاری ہے تو ابھی ایمان کا ٹھکانہ ہمارے اندر نہیں۔ اگر حکم خداوندی کے مقابلہ میں اپنی رسم و ریت کا چھوڑنا شاق گزر رہا ہے تو کسوٹی ایمان کا فیصلہ ہمارے خلاف ہوگا۔ یہی تو ایمان کی کسوٹی ہے جسے امام بخاری رحمہ نے حضرت عبد اللہ بن ہشام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ہم ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے۔ آپ نے حضرت عمر کا ہاتھ اپنے ہاتھ مبارک میں تھام رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ عرض کر رہے تھے یا رسول اللہ لانت احب الی من کل شیئ الا نفسی التی بین جنبی۔ یا رسول اللہ یقیناً آپ کی ذات مقدس مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے مگر جان سے زیادہ پیاری نہیں کیونکہ اپنے نفس کی چاہت تو انسانی طبیعت کی جبلت ہے۔ آپ نے فرمایا لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک نہیں عمرؓ اتنا ایمان کافی نہیں۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ایمان کا معاملہ پُورا ہونے والا نہیں جب تک کہ مَیں تجھے تیرے نفس سے بھی محبوب نہ ہو جاؤں۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول پاک صلعم نے اپنا دست مبارک حضرت عمر کے سینہ پر مارا۔ حضرت عمر نے یہ سُنا تو انشراح صدر ہو گیا فوراً پکار اُٹھے۔ الآن واللہ لانت احب الی من نفسی ہاں ہاں خُدا کی قسم اب آپ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الآن یا عمر اے عمر اب ایمان کا معاملہ پُورا ہو گیا۔

تو اے میدانِ سیاست کے رہبرو! یہ تھا سچا عشق نبوی کہ محبوب کے سامنے لفظاً بھی کچھ چھپا نہیں رکھا۔ حالانکہ ابھی محبت نبوی اور محبتِ نفس کے مقابلہ کی صُورت ہی نہیں پیدا ہوتی تھی فقط احتمال تھا کہ شاید جان زیادہ عزیز ثابت ہو۔ اگر ایسی صورتِ مقابلہ پیش آتی تو عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان حضرت مقداد انصاریؓ کے ایمان سے کسی طرح کمزور نہ تھا جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر تعداد و اسباب کی کمی کی بنا پر یا مدینہ منورہ والے اصحاب کے معاہدۂ حفاظت کی بنا پر دکہ اندرون شہر پُورا دفاع کرینگے باہر کی ذمہ داری نہیں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی پریشانی پر مطمئن کرنے کے لیے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ہماری طرف سے بے فکر رہیں جب تک جسم میں جان ہے اور ایک قطرہ خون بھی باقی ہے آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے آپ کا تحفظ کریں گے تو حضرت عمرؓ بھی یقیناً ایسے موقعہ پر جان کی بازی سے قطعاً گریز نہ فرماتے لیکن محبوب کے سامنے وقتی حالت بغیر کسی تردد و ہیر پھیر کے بیان فرما دی اور ہم ہیں کہ ایمان ناقص کا دعوےٰ بھی محض حُسنِ ظن علی اللہ کی بنا پر ہے لیکن ڈھینگیں یُوں مارتے ہیں جیسے کہ ہمارے جیسا کامل عاشق اور محب صادق اور کوئی ہے ہی نہیں اور اگر ہمیں دعوےٰ ایمان ہے۔ اور الحمد للہ ہے تو پھر ع

ترک جان و ترک مال و ترک سر
در طریقِ عشق اوّل منزل است

اسلام کا تو معنیٰ یہی ہے سپرد کرنا۔ یعنی اپنا مال جان خُدا و رسول کے سپرد کر دینا اور جہاد میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ جہاد اور اسلام ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ ایک ہی معنی کے دو مترادف لفظ ہیں۔ اسلام کے معنی جہاد اور جہاد کے معنی اسلام۔ کوئی ہستی مسلم نہیں ہو سکتی جب تک مجاہد نہ ہو اور کوئی فرد مجاہد نہیں ہو سکتا جب تک مسلم نہ ہو۔ اسلام کی لذّت ہی اس بد قسمت کے لیے حرام ہے جس کا ذوقِ ایمانی لذتِ جہاد سے محروم ہو۔ زمین پر گو اس نے اپنا نام مسلم رکھا ہُوا ہے۔ تاہم اسے کہہ دو کہ آسمانوں پر اس کا شمار کفر کے زمرے میں ہے اسی کو مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے یُوں نقل کیا گیا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرا اور اس نے نہ جہاد کیا اور نہ ہی ارادہ جہاد رکھتا تھا تو وہ انسان ایک قسم کی منافقت پر مرا اسلام تو نام ہی اسی چیز کا ہے کہ انسان اپنے پاس جو کچھ رکھتا ہے خُدا تعالیٰ کے حوالے کر دے اس کی تمام قوتیں اس کی تمام خواہشیں اس کے تمام جذبات اس کی تمام محبوبات غرضیکہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک جو کچھ اس کے اندر ہے اور جو کچھ اپنے سے باہر رکھتا ہے سب کچھ ایک لینے والے کے سُپرد کرے وہ اپنے تمام قوائے جسمانی و دماغی کے ساتھ

اپنے خدا کے سامنے جھک جائے۔ اور ایک مرتبہ ہر طرف سے منقطع ہو کر اور اپنے تمام رشتوں کو توڑ کر اس طرح گردن رکھ دے کہ پھر کبھی نہ اُٹھے۔ نفس اور نفس پرستوں کی حکومت سے باغی ہو جائے اور احکام الٰہی کا مطیع و منقاد ہو جائے۔ یہی وہ حقیقت اسلامی کا فطری قانون ہے جو تمام کائنات میں جاری ہے۔ اس کے لیے دولت یقین چاہیئے اور عزم استقامت چاہیئے جسے قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا۔

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين ان يمسسكم قرح فقد مس القوم قرح مثله و تلك الايام نداولها بين الناس الآيه

ہمت نہ ہارو اور نہ (شکست کی خبر سن کر) دل شکستہ و غمگین ہو یقین کرو اگر تم سچے مومن ہو تو آخر کار تمہارا ہی بول بالا اور غلبہ ہوگا۔ اگر تم کو اس لڑائی سے سخت زخم لگے تو ہمت نہ ہارو) کیونکہ تمہارے مخالف فریق کو بھی اسی طرح زخم لگ چکے ہیں اور یہ وقت کے نتائج و حوادث ہیں جو باری باری سب لوگوں کو پیش آتے رہتے ہیں۔

اے سیاسی معرکہ آرائیوں کے شہسوارو! یحییٰ برمکی نے صحرا میں ایک اعرابی (دیہاتی) کو دیکھا کہ میدان سے پتھروں کے ٹکڑوں کو جمع کرتا ہے اور جب ایک ڈھیر جمع ہو جاتا ہے تو پھر ایک ایک ٹکڑے کو اٹھاتا ہے۔ اور جہاں سے لایا تھا اسی طرف پھینکنے لگتا ہے۔ کائناتِ ہستی میں یہی دو کام ہیں۔ بس یا تو صحرائے دجلہ کے اعرابی کی طرح صبح تمنا میں امیدوں کے سنگریزے جمع کرتے ہیں یا شام ناکامی میں جہاں سے لائے تھے وہیں پھینک دیتے ہیں

قفس پہ میری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

کارساز قدرت کی بھی کیا کرشمہ سازیاں ہیں کہ کچھ خاک بہار کی لی اور کچھ خاکستر حسرت کی۔ دونوں کی آمیزش سے ایک پُتلا بنایا اور حضرت انسان نام رکھ کر اس ہنگامہ زار ارضی میں بھیج دیا۔ کبھی امید کی روشنی سے شگفتہ ہوتا ہے کبھی ناامیدی کی تاریکی سے گھبرا جاتا ہے۔ کبھی جذبات و ولولوں کی بہار میں زمزمۂ ساز و نغمۂ انبسا ہوتا ہے اور کبھی حسرت و افسوس کی خزاں میں امیدوں کے پژمردہ پتوں کو گنتا ہے، کبھی ہنستا ہے کبھی روتا ہے کبھی رقص نشاط میں ہے اور کبھی سینۂ ماتم میں ایک ہاتھ سے جمع کیا دوسرے سے کھو دیا۔ ؎

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

قطع رحمی کا دنیا میں وبال

از ابو المظفر ظفر احمد واہگہ لاہور

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نہیں کوئی گناہ جو زیادہ مستحق اس بات کا ہو کہ اس کا وبال آخرت میں ذخیرہ رہنے کے باوجود دنیا میں اس کی سزا بہت جلد بھگتنی پڑے دو کے علاوہ ایک ظلم اور دوسرا قطع رحمی ہے (مشکوٰۃ) یعنی یہ دو گناہ ظلم اور قطع رحمی ایسے ہیں کہ آخرت میں تو ان پر جو کچھ وبال ہو گا۔ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ان کی سزا بہت جلد ملتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ، ہر گناہ کی جب چاہے مغفرت فرما دے مگر والدین کی نافرمانی کی اور قطع رحمی کی سزا مرنے سے پہلے ہی دے دیتے ہیں (مشکوٰۃ) حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہر گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ آخرت تک مؤخر فرما دیتے ہیں۔ مگر والدین کی نافرمانی کی سزا بہت جلد دنیا میں ہی دے دیتے ہیں (جامع الصغیر)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رحم (یعنی) قرابت کو زبان عطا فرمائیں گے۔ وہ عرش المعلّٰی کو پکڑ کر درخواست کرتا رہے گا۔ یا اللہ جس نے مجھے ملایا تو اس کو ملا جس نے مجھے توڑا تو اس کو قطع کر دے۔ دوسری حدیث شریف میں ہے کہ رَحِم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے پاک نام رحمٰن سے نکالا گیا ہے جو اس کو ملائے گا رحمٰن اس کو ملائے گا جو اس کو قطع کرے گا رحمٰن اس کو قطع کرے گا۔

پوری قوم محروم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس قوم میں قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں قطع رحمی اس قدر بدترین گناہ ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی رحمت سے دور کر دیتا ہے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ صبح کی نماز کے بعد ایک مجمع میں تشریف لائے اور فرمانے لگے۔ میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں اگر کوئی اس مجمع میں قطع رحمی کرنے والا[1] ہو تو چلا جائے ہم لوگ اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کرنا چاہتے ہیں۔ اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کے لئے بند ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کی دعا آسمان پر نہیں جاتی کہ اس سے پہلے ہی دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اور جب اس کے ساتھ ہماری دعا ہو گئی تو دروازہ بند ہونے کی وجہ سے رہ جائے گی۔ یہ تمام حدیثیں فضائل صدقات ص ۲۲۹ سے لی گئیں ہیں۔

تین اہم کام حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تین باتوں کا اہتمام رکھیں (۱) جو معاہدہ کسی سے کر لیں اس کو پورا کریں۔ جو شخص پورا نہ کرے اس پر تمام آدمیوں اور فرشتوں کی لعنت ہے (۲) جو فیصلہ کریں انصاف سے کریں (۳) جو شخص کسی سے رحم کی درخواست کرے اس پر رحم کریں۔ جو شخص ایسا نہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی تمام فرشتوں کی اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ رحمت سے دور کر دیتے ہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت قول ظاہر ہو جائے اور عمل خزانہ میں چلا جائے۔ یعنی تقریریں تو بہت ہونے لگیں۔ مضامین کثرت سے لکھے جائیں لیکن عمل نہ ہو گویا مقفل

[1] یعنی رشتہ داروں سے بائیکاٹ کرنے والا

رکھا ہوا ہے۔ زبانی اتفاق تو آپس میں ہو جائے لیکن دل مختلف ہوں اور رشتہ دار آپس میں تعلق توڑنے لگیں تو اُس وقت اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی رحمت سے دُور کر دیتے ہیں اور اندھا اور بہرہ کر دیتے ہیں۔

ایک عجیب قصہ

فقیہہ ابواللیثؒ رح نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے کہ مکہ مکرّمہ میں ایک آدمی نیک رہتا تھا لوگ اُس کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ ایک شخص نے اُن کے پاس دس ہزار اشرفیاں امانت کے طور پر رکھوا کر کسی ضرورت کے لیے سفر پر چلا گیا جب وہ سفر سے واپس آیا تو اُس نیک شخص کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُس نے اُن کے اہل و عیال سے اپنی امانت کا حال دریافت کیا۔ تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اُن کو بڑا فکر ہوا کہ بہت بڑی رقم تھی۔ پھر اس نے علماء کرام جو مکّہ شریف کے تھے اتفاق سے اُن کا مجمع ایک جگہ تھا مسئلہ پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ آدمی تو بڑا نیک تھا۔ ہمارے خیال میں جنّتی آدمی تھا تو ایک ترکیب کر کہ جب تہائی رات گزر جائے تو زمزم کے کنوئیں پر جا کر اُس کا نام لے کر پکار اور اُس سے دریافت کر۔ اُس نے تین دن تک ایسا ہی کیا اُس کو کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے پھر جا کر علمائے مکّہ مکرّمہ سے عرض کیا کوئی جواب نہیں آیا تو انہوں نے انّا للّٰہ پڑھا۔ میں تو ڈر گیا کہ وہ شاید جنّتی نہ ہو۔ پھر انہوں نے فرمایا تو فلاں جگہ جا وہاں ایک وادی ہے جس کا نام برہوت ہے اُس میں ایک کنواں ہے اُس کنوئیں پر آواز دے۔ اُس نے ایسا ہی کیا تو وہاں سے پہلی ہی آواز پر جواب ملا کہ تیرا مال ویسا ہی محفوظ ہے۔ مجھے اپنی اولاد پر اطمینان نہ ہوا۔ میں نے فلاں جگہ مکان میں گاڑ دیا ہے میرے لڑکے سے کہہ تجھے اس جگہ پہنچا دے۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا تو مال مل گیا۔ پھر وہ شخص گیا اور اُس نے بڑے تعجب سے دریافت کیا کہ مال تو مل گیا۔ لیکن تُو تو بہت نیک آدمی تھا یہاں کیسے پہنچ گیا۔ کہنے لگا کہ خراسان میں میرے کچھ رشتہ دار تھے جن سے میں نے قطع تعلق کر لیا تھا اور اُسی حال میں میری موت آ گئی اور اُس گرفت میں یہاں پکڑا ہوا ہوں۔ یہ ایک کشفی بات ہے اللہ تعالیٰ کسی کو جس وقت چاہیں دکھا دیں۔

(تنبیہ الغافلین)

لیکن کشف شرعی حجّت نہیں ہے۔

(فضائل صدقات صفحہ ۲۰۵)

اہم اور عجیب باتیں

حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ سب سے بہترین وادی مکّہ مکرّمہ ہے تمام وادیوں سے، پھر ہندوستان کی وہ وادی جہاں آدم علیہ السلام اُترے تھے اُس جگہ ان خوشبوؤں کی کثرت ہے جن کو لوگ استعمال کرتے ہیں۔

بد ترین جگہ

اور بد ترین جگہ وادی احقاف ہے اور وادیٔ حضرموت جس کو برہوت کہتے ہیں اور سب سے بہتر کنواں دُنیا میں زمزم کا ہے اور بد ترین کنواں برہوت کا ہے جس میں کفار کی روحیں جمع ہوتی ہیں یہ بھی کشفی بات ہے۔

(دُرِ منثور)۔ (فضائل صدقات صفحہ ۲۰۵)

آہ حضرت مولانا محمد شعیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از قلم محمد عثمان غنی ۔ واہ کینٹ

واہ کینٹ میں حضرت مولانا محمد شعیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے داماد ذی وقار جناب غلام ربانی صاحب ملازم ہیں۔ مجھے ان سے جولائی کے دوسرے ہفتے میں پیغام ملا کہ ان کے خسرِ عالی مقام اور ہمارے مخدوم ڈھاباں سنگھ ضلع شیخوپورہ میں انتقال فرما گئے ہیں۔ میری آنکھیں اشکبار ہوگئیں، کیونکہ مجھ سے حضرتِ مرحوم بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ ہم اپنے مرشدِ اعظم شیخ التفسیر حضرۃ مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد یتیم تو ہو ہی چکے تھے، لیکن آپ کے عالی مقام جانشین حضرتِ اقدس مولانا عبیداللہ انورؒ صاحب دامت برکاتہم کے علاوہ دیگر خلفاءِ کرام ہمارے لیے چراغِ راہ اور باعثِ تسکین تھے۔ وقت اتنی تیزی سے گزر رہا ہے، کہ ہم حیران ہیں، کہ ہم اتنے قلیل عرصہ میں کتنے ہی بزرگوں کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے ہیں۔ حضرت مولانا حبیب صاحب ہمیں روتا چھوڑ کر مکہ مکرمہ کے جنت المعلیٰ کے عظیم قبرستان میں آرام فرما ہو گئے۔ حضرت میاں عبدالہادی صاحب دینپوری رحمۃ اللہ علیہ جنّت کو سدھار گئے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ساہیوال سے علاج کے لیے لاہور تشریف لاتے تو مرشدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کشش نے آغوشِ موت میں پہنچا دیا اور میانی صاحب کے مقدّس قبرستان اپنے شیخ کے قریب ہی محوِ استراحت ہو گئے۔ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری جیسے عظیم انسان بھی موت کی آغوش میں چلے گئے اور ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ حافظ حمید اللہؒ جیسے درویش صفت عالمِ باعمل بھی ہمیں روتا چھوڑ کر اپنے عظیم ابا جان کے پہلو میں جا لیٹے۔ حضرت مولانا عرض محمد رحمۃ اللہ علیہ کوئٹہ میں رحلت فرما گئے۔ مجاہدِ عظیم حضرت مولانا سیّد احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ چوکیرہ (سرگودھا) والوں جیسا شیر بھی پیوندِ خاک ہو گیا اور ۲۴، ۲۱ جون ۱۹۷۹ء کو ہمارے محبوب حضرت محمد شعیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہزارہ سے کوسوں دور غریب الوطنی کی حالت میں ڈھاباں سنگھ جیسی غیر معروف جگہ زیرِ زمین چلے گئے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

میں نے حضرتِ مرحوم کے صاحبزادہ قاری محمد یوسف صاحب کو تعزیت نامہ لکھ کر سپردِ ڈاک کیا ہی تھا کہ خدام الدّین کا ۲۰ جولائی کا شمارہ آن پہنچا۔ جس میں ہماری جماعت کے بہت بڑے صاحبِ دل اور صاحبِ قلم جناب ماسٹر لال دین اخگر صاحب ایم۔ اے بی ٹی مدظلہ العالی کا مقالہ درج تھا۔ پڑھ پڑھ کر آنسوؤں کی لڑیاں پروتا رہا اور رومال سے چشمہ صاف کرتا تو اگلی سطر پر پھر وہی حال ہو جاتا، اگرچہ اس پر مغز مقالہ کی موجودگی میں مزید کچھ سپردِ خاک کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، تاہم چند سطور لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں، تاکہ نیکوں کے تذکرہ میں مجھ حقیر کا شمار بھی ہو جاتے اور ہو سکتا ہے کہ حضرت مرحوم کے خلفاء اور

متوسلین کے دلوں سے دعائیں
نکل کر ذریعہ نجات کا سامان بن
جائیں۔

خلفاءِ کرام کی تقرری

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ
نے اپنے خلفاء کو یوں ہی خلافت
عطا نہیں فرما دی تھی، بلکہ بڑے
مجاہدات کے بعد مراقبات کیے اور
حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے
روضۂ اقدس پر حاضری دی اور کعبۃ اللہ
میں مراقب ہو کر اجازت چاہی،
تب چیدہ چیدہ بزرگوں کو مسندِ
اصلاح و رشد پر بٹھایا، سبحان اللہ
کیا کہنے ہیں پھر ان خلفاء کرام
کے بھی کہ انھوں نے زندگیاں
اپنے شیخ کے حکم پر نثار کر دیں۔
ہمارے مخدوم حضرت مولانا قاضی محمد
زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم
و فیوضہم کو جامعہ اسلامیہ بہاولپور
میں شیخ التفسیر کا عہدہ پیش کیا
گیا، لیکن موصوف نے قبول
نہ کیا، کیونکہ حضرت لاہوری نور اللہ
مرقدہٗ نے آپ کی تقرری جہلم
سے لے کر لنڈی کوتل تک کے
علاقہ میں فرما رکھی تھی۔ آپ نے
دنیوی جاہ و منفعت پر خلقِ خدا
کی خدمت اور اصلاحِ احوال کو
ترجیح دی۔ چنانچہ آپ کا روحانی
فیض ماشاء اللہ قریہ قریہ بستی
بستی شہر شہر جاری ہے۔ کہیں
درسِ قرآن ہو رہا ہے کہیں درسِ
حدیث کے پھول کھل رہے ہیں۔
کہیں مجلسِ ذکر میں اللہ اللہ کی ضربیں
لگ رہی ہیں۔ تصانیفِ اسلامیہ
کے انبار لگ رہے ہیں۔ گذشتہ
سولہ سال سے ہمارے واہ کینٹ
میں ماہانہ درسِ قرآن اور درسِ حدیث
کا جو کام ہو رہا ہے، وہ محض حضرت
قاضی صاحب کی کرامت اور
حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور
آپ کے جانشین مکرم و محترم
کی نظرِ کیمیا اثر کا ثمر ہے۔ اسی
طرح حضرت مولانا پسروریؒ باوجود
اچھی اچھی پیش کشوں اور مقامی حضرات
کی بے التفاتی کے باوجود اپنے
محبوب شیخ کے حکم کی متابعت
میں وہیں جلوہ گر رہے اور زندگی
نثار فرما دی۔ یہی حال ہمارے مکرم و
محترم حضرت مولانا محمد شعیب صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ آپ ہزارہ کے
باشندہ تھے، لیکن حضرتؒ کے
حکم سے شیخوپورہ کے ایک چھوٹے
سے گاؤں میاں علی ڈوگراں میں
مقیم رہے اور تا زیست مدرسہ
عربیہ تعلیم الاسلام میں علومِ الٰہیہ
اور علومِ نبویہ کی تعلیم حسبۃً للہ دیتے
رہے۔ مقامی حضرات کی طرف
سے یہاں بھی بے التفاتی ہی رہی
لیکن حضرت مرحوم نے کبھی شکوہ
نہ فرمایا اور شیخ کا حکم بجا لاتے
رہے۔ وفات سے کچھ ہی عرصہ
قبل تھوڑی دور منڈی ڈھاباں سنگھ
ضلع شیخوپورہ تشریف فرما تھے، کیونکہ
فالج کا عارضہ تھا اور علاج کروا
رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے
محبوب فقیر کو وہیں دفن ہو جانے
کی سعادت عطا فرما دی۔

جس طرح دنیاوی گورنر، ڈپٹی کمشنر
تحصیل دار وغیرہ کا حکام بالا تقرر
کرتے ہیں، تاکہ نظامِ کار صحیح
طور پر چلے، اسی طرح اہل اللہ بھی
اپنی شفقتوں اور رحمتوں سے مخلوقِ
خدا کو محروم نہیں فرماتے۔ اور وہ
مرکز سے دور دراز علاقوں اپنے
نائبین کرام کا تقرر فرما دیتے ہیں۔
آگے پھر جو خوش قسمت ہوتے
ہیں وہ گوہرِ مراد حاصل کر لیتے ہیں
اور جو بدبخت ہوتے ہیں وہ محروم
رہ جاتے ہیں۔ ہمارے حضرت
رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر خلفاء وصال
فرما چکے ہیں۔ احباب جماعت
کے لیے لازم ہے کہ مرکزی چراغ
راہ حضرت اقدس مولانا عبید اللہ انور
صاحب دامت برکاتہم اور دوسرے
ستاروں یعنی خلفاءِ کرام سے نورِ
ہدایت حاصل کریں اور ان ہستیوں
کے مسعود وجودوں کو غنیمت جانیں۔

مقصدِ بیعت

حضرت مولانا محمد شعیب صاحب
رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لاہوری
نور اللہ مرقدہٗ کی حیاتِ طیبہ میں

ایک مختصر رسالہ "مقصدِ بیعت" کے عنوان سے طبع کرایا تھا۔ اس کتابچہ کا ایک ایک حرف پڑھنے کے قابل ہے، لیکن چیدہ چیدہ مقامات کے اقتباسات پیش کرتا ہوں:

۱: "بزرگانِ دین کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کا اوّلین مقصد اپنی اصلاح ہوتی ہے۔ یعنی رذائلِ نفس، شرک، بدعت، غفلت، حرص، حسد، بغض، کینہ، زرطلبی، جاہ طلبی، تکبّر، غرور، جھوٹ، چغلی، غیبت، گالی، غصّہ، وغیرہ وغیرہ صفاتِ ذمیمہ یکے بعد دیگرے نکل جائیں۔ اور ان کی جگہ توحید اتباعِ سنّت، توکل، ایثار، قناعت، تواضع، خوف، خشیت، ذکر، فکر، ذوق، شوق جیسی صفاتِ حسنہ پیدا ہو جائیں"۔

۲: "ایک کامل تلاش کیجئے اگر مل جائے تو اس کے بے دام غلام بن جایئے۔ مثل مشہور ہے "جوئندہ یابندہ" اگر تلاش کریں گے، تو ضرور مل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے ہر جگہ بیج کی طرح رکھے ہوتے ہیں، جو عوام کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ مگر طالبانِ حق ضرور ڈھونڈ لیتے ہیں۔ حق تعالیٰ ہر کلمہ گو کو ایسے بزرگوں کا دامنگیر بنائے۔ آمین"۔

۳: آج کل پیروں پر نگاہ ڈالیے۔ کیا ان لوگوں میں سے اکثر میں شیخِ کامل کی بنیادی شرائط پائی جاتی ہیں؟ کیا یہ عالمِ قرآن ہوتے ہیں؟ کیا عدالت و تقویٰ جیسی صفاتِ حسنہ ان میں عموماً پائی جاتی ہیں؟ کیا عموماً ان میں دنیا کی رغبت نہیں ہوتی؟ کیا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عادی ہوتے ہیں؟ کیا کسی کامل سے انہیں مستفیض ہونے کی توفیق ہوتی ہے؟ جہاں تک حالات کی توفیق و جستجو آپ کریں گے ان صفات کا مجموعہ کیا ایک صفت بھی ان میں نظر نہ آئے گی۔ قرآن سے بے خبر، تقویٰ سے محروم، دنیا کے عاشق، امر بالمعروف سے عاری، اخذِ فیض سے بے بہرہ بلکہ اکثریت ان میں اخلاقی مجرموں کی نظر آئے گی۔ کیا ہر روز آپ اخبارات میں نہیں پڑھتے؟ فلاں جگہ "پیر صاحب" تشریف لائے، جاتے وقت اغوا کر کے چلے گئے۔ فلاں جگہ ایک "بزرگ صورت" نزول فرما ہوئے۔ نوٹ دُگنے کرنے کی "کرامت" اور سونا بڑھا دینے کی "بزرگی" جتلانے لگے۔ لوگوں نے لالچ میں آ کر نقدی جمع کر دی۔ "پیر صاحب نے کمال ہوشیاری اور چالاکی سے ہتھیا لیا اور روپوش ہو گئے۔ اور تو جانے دیجئے، لاہور جیسے مرکزی شہر، جہاں زیورِ علم اور عقل سے عوام آراستہ پیراستہ ہیں اور جہاں سادہ لوح آدمی کا آنا جانا بھی خالی از خطرہ نہیں۔ وہ ان لٹیروں نے اڈے بنا رکھے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ہی ہم نے اخبارات میں یہ قابلِ افسوس خبر پڑھی تھی، کہ علاقۂ مزنگ میں ایک "پیر صاحب" تشریف لائے جن کی بڑی "کرامت" یہی تھی کہ نوٹ دُگنے کرتے تھے۔ ایک صاحب اچھے خاصے لکھے پڑھے تھے، امتحان کے طور پر "پیر صاحب" کے پاس کافی نوٹ لے آئے جن میں کچھ اپنے تھے، کچھ اِدھر اُدھر سے ادھار لیے گئے تھے۔ اور "پیر صاحب" کے سامنے رکھ کر فرمانے لگے۔ "اگر آپ واقعی نوٹ دُگنے کر سکتے ہیں تو ان کو کر دیجئے"۔ پیر صاحب نے فرمایا: "اِن کو دُگنے کرنے کیلیے

دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو میرے حوالے کرنے کے بعد مجھے ایک گھنٹہ تخلیہ میں رہنے دیجئے۔ اور دوسری یہ کہ ان کو جس چیز میں پلیٹ کر دوں تین دن کے بعد اسے کھولیں"۔ چنانچہ دونوں شرطیں طے ہو گئیں اور پیر صاحب نے تخلیہ میں بیٹھ کر نوٹ سنبھال لیے اور ردّی کاغذوں پر اور کاغذ پلیٹ کر اس کے حوالے کر دیئے اور خود چلتے بنے۔ تیسرے روز جب کاغذ کھولے گئے تو اندر سے ردی کاغذ دیکھ کر نوٹ لانے والے نے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا، مگر اب کیا بن سکتا تھا؟ "پیر صاحب" تین دن سے لاپتہ تھے۔ یہ تو شہروں اور خصوصاً مرکزی شہروں کا حال ہے۔ "پیر کرم شاہ" (کرنل لارنس (COL. LAWRENCE بھی لاہور جیسے شہروں میں "پیر" کے بھیس میں انگریزوں کی جاسوسی کرتا رہا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ دیہات میں عوام کالانعام کو کیا کیا سبز باغ دکھا کر یہ لوگ لوٹتے ہوں گے، ہماری قوم کی اب بھی آنکھیں نہیں کھلتیں اور ہر نووارد سبز عمامہ والے کو اپنا مقتدا سمجھنے لگتے ہیں۔ فَاِلَی اللّٰہِ المُشتَکیٰ وَاِلَیْہِ المُستَعَانُ

مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

یعنی بہتیرے شیطان انسانوں کے بھیس میں پھرتے ہیں۔ اس لیے ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ کھرے اور کھوٹے سچے اور جھوٹے میں تمیز کیجئے اور سچوں کے دامنگر ہو جایئے اور سچے وہی ہوتے ہیں جنکو استقامت علی الشرع حاصل ہو اور بے طمع دین کے خادم ہوں اور مرید سے کسی دنیاوی طمع کے راغب نہ ہوں اور جن کے پاس آنے جانے سے یادِ الٰہی آجاتی ہے"۔

۴ : آپ یقین جانیے کہ آج بھی علمائے ربّانی ہی صحیح طور پر سیاستدان ہیں اور انہی کی دامنگیری میں سیاسی بصیرت ملے گی اور خصوصاً اپنے مربی اور شیخ سے تو سیاسی اختلاف بھی آخر اختلاف ہی ہے اور کسی نہ کسی دن عقیدت میں بھی فرق ڈلوائے گا اور محرومی کے گڑھے میں جا گرائے گا"۔

۵ : طالبِ صادق اپنے مربی و مرشد کی خدمت میں حاضر ہونے ہوئے ہمیشہ مندرجہ ذیل امور کی پابندی کرے:

(۱) - دو زانو بیٹھے۔
(۲) - ذاکر رہے۔
(۳) - فضول اور نکمّی باتیں کرنے سے احتراز کرے۔
(۴) - لا یعنی سوالات سے بچے۔
(۵) - باتیں کرتے ہوئے آواز پست رکھے۔
(۶) شیخ کو کسی بات پر مجبور نہ کرے (جیسا کہ بعض احباب کو دیکھا گیا ہے کہ اپنی بات مجبور کر کے بھی منا لیتے ہیں۔)
(۷) شیخ پر اعتراض نہ کرے۔
(۸) شیخ کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کرے۔
(۹) شیخ کے سامنے ننگے سر نہ بیٹھے۔
(۱۰) اساتذہ کرام اور والدین سے شیخ کا ادب زیادہ کرے"۔

۶ : حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانیٔ دار العلوم دیوبند کے متعلق بعض ثقہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ وہ ایک ایک شغل کو پانچ پانچ چھ چھ گھنٹوں تک جاری رکھتے تھے اور جب ذکر سے فارغ ہوتے، تو کپڑے پسینے سے اس قدر بھیگ جاتے تھے کہ ان کو نچوڑتے تھے۔ اطاعت اس کا نام ہے"۔

محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدینؒ

سلسلہ بیعت و ارشاد کے فیوض و برکات

سید ابوالحسن علی ندوی

قبل اس کے کہ ان فیوض و برکات کا ذکر کیا جائے جو خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ تعلق اور ان کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو پہنچے اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی، اور غفلت، خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب و محرکات پورے شباب پر تھے۔ ایک ایسی نئی دینی اور روحانی لہر پیدا ہوئی جس کو ہر محسوس کرنے والے نے محسوس کیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین اور توبہ کی حکمت اور ضرورت بیان کر دی جائے تاکہ معلوم ہو کہ کن حالات و ضروریات کے ماتحت اس طریقہ کو اختیار کیا گیا اور اس سے کیا دینی فوائد پہنچے، راقم سطور نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حصۂ اول میں حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں جو لکھا تھا پہلے اسی کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

خیر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ خصوصی تعلیم و تربیت کے ذرائع سے عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جا سکتا تھا، اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی اور روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داری و پابندیوں کو شعور و احساسِ ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، اس کے افسردہ اور مردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو، اور اس کے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت و نشاط پیدا ہو، اس کو کسی مخلص خدا شناس پر اعتماد ہو اور اس سے وہ اپنے امراضِ روحانی و نفسانی میں علاج اور دین کی صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے اس لیے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر وہ قائم تھیں، بقول سیدنا عمر بن العزیز وہ ہدایت کے لیے مبعوث ہوا تھا دعیات، یعنی ٹیکسوں کی تحصیل وصول کے لیے نہیں، نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھیں، بلکہ اپنے سربراہوں اور عمالِ حکومت کے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کے لیے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھیں، دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہم پرست اور تنگی واقع ہوئی تھیں کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں قیادت و سیادت کی آمیزش پائیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں اس کو فوراً کچل کر رکھ دیتیں۔

ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کے لیے اس کے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرتؐ کے طریقہ پر ایمان و عمل اور اتباعِ شریعت کے لیے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں، اور پھر وہ نائب پیغمبرؐ، ان کی دینی نگرانی و تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبت، اپنی استقامت اور اپنے نفسِ گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمیٔ محبت، خلوص و للّٰہیت، جذبۂ اتباعِ سنت، اور شوقِ آخرت پیدا کر دے۔ ان کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انہوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور نئی زندگی میں قدم رکھا ہے، اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے، اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے، پھر اپنے تجربوں و اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ

اور ان کی زندگی میں ایمان و احتساب و اخلاص اور ان کے اعمال و عبادات میں ایمانی کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہی حقیقت ہے اس بیعت نبی بیعت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدید دین اور اصلاحِ مسلمین کا کام لیا ہے اور لاکھوں بندگانِ خدا کو حقیقتِ ایمان اور درجۂ احسان تک پہنچا دیا ہے۔"

بیعت اک عہد و معاہدہ

یہ بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا و رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل اور اتباعِ شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا تھا۔ سلطان المشائخ بیعت لیتے وقت بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ کہلواتے تھے اور آئندہ کے لیے اس سے کیا عہد لیتے تھے تذکرہ میں اس کے صحیح الفاظ نظر سے نہیں گزرے، لیکن حضرت خواجہ نے خود اپنے شیخ و مرشد شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے بیعت لینے کے طریقہ اور ان کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنے شیخ سے جو والہانہ تعلق اور ان کی پیروی کا جو جذبہ تھا، اس سے یہی قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے نئے مریدین کو تلقین فرماتے ہوں گے۔ ارشاد ہے:-

"جب کوئی شخص شیخ الشیوخ العالم فریدالدین والحق کی خدمت میں بہ نیت ارادت آتا تھا، فرماتے، پہلے ایک بار سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھو اس کے بعد سورۂ بقرہ کا آخری رکوع آمَنَ الرَّسُولُ سے آخر تک پڑھتے، اس کے بعد شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ..... إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ تک پڑھتے اس کے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر اس کے شیخ اور شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر اور حضرت عزت جل مجدہ سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کروگے اور شریعت کے رستے اور طریقے پر قائم رہو گے۔"

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آ گئے، سمع و طاعت (سننے اور ماننے) کا وعدہ اور ارادہ بھی آگیا یہ بات بھی آگئی کہ اللہ کے یہاں قابلِ قبول دین صرف اسلام ہے اس کا احساس بھی بیدار و تازہ کر دیا گیا کہ یہ بیعت دراصل دستِ مبارک نبوی پر ہے، اور شیخ کا ہاتھ، اس دستِ مبارک کا قائم مقام ہے ربّ العزت سے اس کا عہد بھی کیا گیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی معصیتوں سے حفاظت کی جائے گی اور راہِ شریعت پر قائم رہا جائے گا، تجدیدِ ایمان اور خدا و رسولؐ سے اپنا پرانا عہد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور عام فہم طریقہ کیا ہو سکتا ہے، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بیعت کرنے والے سو فی صدی اس عہد پر قائم رہتے تھے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں سے ایک بڑی تعداد اس اقرار اور عہد کی شرم اور لاج رکھتی اور ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کے لیے یہ بیعت تجدیدِ ایمان اور انقلابِ حال کا ذریعہ بن جاتی

عمومِ بیعت کی حکمت

بیعت و ارشاد میں ان حضرات نے جو وسعت و اذنِ عام فرما رکھا تھا، اور جس طرح بغیر کسی امتحان اور امتیاز کے لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ بیعت کریں اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو جائیں خاص طور سے حضرت خواجہؒ کے یہاں اس باب میں وسعت و رعایت تھی اس پر بعض لوگوں کو یہ کھٹک پیدا ہو سکتی ہے کہ جب بیعت ایک معاہدہ ہے اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو اس میں اتنی وسعت کیوں روا رکھی ہے؟ حضرت خواجہؒ نے ایک موقع پر خود ہی اس اشکال کا جواب دیا ہے اور اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا، اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور، جان نواز باتیں سنتا رہا، اس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے، یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے، سلطان المشائخ نے اپنے فیاضی و عنایت سے اس کا اذنِ عام دے دیا ہے اور آپ عام و خاص سب کو مرید کر لیتے ہیں، میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں، سلطان المشائخ اپنے کشف سے، میرے خطرہ پر مطلع ہو گئے، فرمایا مولانا ضیاء الدین تم ہر طرح

کی باتیں پوچھتے ہو یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں۔ یہ سن کر مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں نے آپؒ کے قدم لے کر عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ اشکال تھا، آج بھی یہی وسوسہ آیا تھا، اللہ نے آپؒ کے دل میں یہ بات ڈال دی، حضرت نے فرمایا کہ۔

”حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک خاصیت رکھی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی راہ و رسم اور عادتیں الگ ہوتی ہیں اور ان کے مزاج و طبیعت پچھلے لوگوں کے طبائع و اخلاق سے میل نہیں کھاتے تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور یہ ایک تجربہ کی بات ہے۔ ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوا اللہ سے منقطع اور مشغول مع اللہ ہو جائے، جیسا کہ کتب تصوف میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ مشائخ متقدمین جب تک طالب ارادت میں انقطاعِ کلی نہ دیکھ لیتے، بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے، لیکن سلطان ابوسعید ابوالخیر کے عہد سے لے کر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانے تک اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے وقت سے لے کر شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز کے وقت تک کہ یہ سب حضرات، سرآمد روزگار اور آیۃ من آیات اللہ تھے۔ خلقِ خدا کا ان کے دروازوں پر ہجوم ہوا اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اژدحام کیا۔ ان بندگانِ خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں سے ڈر کر ان عاشقانِ خدا کا دامن تھامنا چاہا اور ان مشائخِ کبار نے بھی خاص و عام کو بیعت میں قبول کیا اور خرقہ توبہ و تبرک عطا کیا۔ ہر شخص ان محبوبانِ خدا کے معاملات پر اپنے کو قیاس نہیں کر سکتا کہ شیخ ابوسعید، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ اسرارہم نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا، میں بھی مرید کروں، اس لیے کہ اگر خدا کا کوئی محبوب اگناہ گاروں میں سے ایک عالم کو اپنے دامن عاطفت میں لے لے تو لے سکتا ہے اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا؟ ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں، نماز با جماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں، اگر میں ابھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کروں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاع کلی پایا جاتا ہے کہ نہیں اور ان کو توبہ و تبرک کا خرقہ، جو خرقۂ ارادت کی جگہ پر ہے نہ دوں تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آ رہی ہے محروم ہو جائیں گے دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اس کے میرے دل میں خیال آئے یا میں اس کی درخواست اور التماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں شیخ کامل و مکمل (شیخ کبیر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور مسکنت اور بے چارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی۔ میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو، اس کو بیعت کر لیتا ہوں، خاص طور پر اس لیے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنے والے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آجاتے ہیں“

عمومی زندگی پر اثر

اس بیعت و تعلق کا جس سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ یکساں مستفیض ہوئے۔ عام زندگی و معاشرت، لوگوں کے اخلاق و عادات، اشغال و اوقات اور اہلِ حکومت سے لے کر اہل حرفہ تک کے حالات پر کیا اثر پڑا اور دار الحکومت دہلی میں جو شوکت قوت دولت و ثروت اور عیش و عشرت کا گہوارہ تھا، اور سارے ہندوستان کا مالِ غنیمت اور سینکڑوں ہزاروں برس کے زر و جواہر، صناعوں کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائبات روزانہ سیل رواں کی طرح وہاں اُمنڈ رہے تھے۔ دینداری، خدا طلبی، عشقِ الٰہی، توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ صفائی معاملات، راست گفتاری اور دیانتداری کی کیا کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اس کی تفصیل اس عہد کے صاحبِ نظر اور معتبر مورخ ضیاء الدین برنی کی زبان سے سنئے، سلطان علاؤ الدین خلجیؒ کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”...... اس زمانے میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا اور گنہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے اور خاص و عام، غریب دولت مند، بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل شریف رذیل، شہری اور دیہاتی و غازی و مجاہد آزاد و غلام

سب کو طریقہ توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے۔ اور اگر شیخ کے مرید سے لغزش ہوجاتی تھی تو پھر از سرِ نو بیعت کر لیتے اور توبہ کا خرقہ ادا کرنے اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سے ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے مرد عورت، بوڑھے جوان، بزاری، عامی غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہوگئے تھے...... کثرتِ نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری، اتباعی نوکر، شیخ کے مرید ہوتے تھے اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے......

شیخ کے مبارک وجود ان کے انفاس پاک کی برکت ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہوگئے تھے۔ سلطان علاؤالدینؒ اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہوگیا تھا۔ خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی، عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پاتا۔ بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہوسکتے تھے بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا،

ایک زاہد کی حکایت

(محمد شفیع عمرالدین رمیو پورخاص سندھ)

کارِ مرداں کاہلی در کارِ تن
چابکے جستن بطاعت در محن

یعنی باہمت مردوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اپنے بدن کی آسائش والے کاموں میں سستی دکھاتے ہیں، مگر عبادت اور طاعت میں چست و چالاک رہتے ہیں۔ کارِ عقبیٰ کو کارِ دنیا پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ایک زاہد کی حکایت سے واضح کی جاتی ہے۔

ایک تھے زاہد، کیونکہ صدقِ مقال اور اکلِ حلال درویشوں کا کام ہے اس لیئے وہ کھیتی باڑی کرکے اپنی قوتِ لایموت حاصل کرتے تھے، کھیت کی آبپاشی کے لیئے ان کے پاس ایک سرکش اونٹ تھا۔ ایک دن جمعہ کے روز ان کو کھیت کو پانی دینا تھا، مگر اچانک ان کا اونٹ گم ہوگیا لہٰذا زاہد پریشان تھا کہ ؎

گر سقایت میکنم اشتر کجا
ہم یا بم نمازِ جمعہ را

اگر میں کھیت کو پانی دوں، اور جمعہ کی نماز بھی ادا کروں، تو اونٹ کہاں ہے؟ اگر اس کی تلاش میں لگ جاؤں، تو ممکن ہے کہ اونٹ بھی نہ ملے اور نمازِ جمعہ بھی جاتی رہے ؎

عاقبت بود از زرد و گفت خوب
بہر جمعہ رَو درِ حق را بکوب
کایں متاعِ باقی و آں فانی است
دل بفانی بستن از نادانی است

بہت سوچ بچار کے بعد آخر اس نے اپنے دل میں کہا کہ جمعہ کی نماز کے لیئے جانا چاہیئے۔ اور دین و دنیا کی حاجتوں کے لیئے اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیئے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہمیشہ رہنے والی جنت کی نعمتیں ملیں گی دنیا اور اس کی سب چیزیں فانی ہیں۔ ان کو بقا نہیں فانی چیزوں سے لو لگانا نادانی ہے۔

اور نمازِ جمعہ ہرگز نہ چھوڑنی چاہیئے۔ اس کی بڑی فضیلت ہے

ابنِ عباسؓ از پیمبرؐ نقل کرد۔
ہست جمعہ حجِ مسکیناں فرد۔ ۱؎

حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ مسکینوں کا حج ہے۔ ۱؎

لہٰذا زاہد جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیئے مسجد میں چلے گئے۔ خوب خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ اور اپنے دوسرے اوراد و وظائف بھی پورے کئے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دارین کی بھلائی کی دعائیں مانگیں۔ نماز و اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر وہ اپنے گھر واپس آیا۔ ؎

تا دریں دم کارِ دنیا ہم کند۔
یک زماں بر مکاسب بر تند۔

تاکہ عبادت کے بعد وہ کچھ دنیا کے کام بھی کرے۔ اور حلال و پاک روزی حاصل کرنے کے لیئے کھیتی باڑی کا کام کرے۔ تاکہ اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ کا فریضہ بھی ادا کر سکے۔ جب وہ گھر آیا، تو دیکھا کہ اونٹ جو گم تھا، وہ گھر میں بندھا ہوا ہے۔ اور وہ بڑا تھکا ماندہ اور خستہ حال ہے۔ زاہد کی بیوی نے اسے بتایا کہ جنگل سے اونٹ کے پیچھے ایک بھیڑیا لگ گیا تھا۔ اور اس سے جان بچانے کی خاطر وہ بھاگ کر گھر چلا آیا ہے ؎

مرد را ہر مو زبانِ شکر گفت
کایں شتر را حق بیاورد زِ دشت۔

زاہد کا رُواں رُواں شکر کرنے لگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنگل سے اونٹ گھر میں پہنچا دیا۔ اور وہ اسے تلاش کرنے کی زحمت سے بچ گیا۔

وہ اونٹ کو لے کر پانی سینچنے کے لیئے اپنے کھیت پر گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ کھیتی ہری بھری لہلہا رہی ہے۔ اور اس میں پانی آ رہا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر زاہد بڑا حیران ہوا، اور اپنے دل میں خیال کرنے لگا کہ میرے پڑوسی میں تو اتنی ہمدردی اور ایثار کا مادہ نہیں ہے، کہ وہ اپنے کھیت کے بجائے میرے کھیت میں پانی چھوڑ دے۔ بہر حال اس نے اپنے پڑوسی سے حقیقت دریافت کی تو اس نے بتایا کہ بھائی! بڑا عجیب معاملہ ہے، میں تو پانی اپنے کھیت کی طرف لے جا رہا تھا، مگر وہ ٹوٹ کر خود بخود تیرے کھیت کی طرف بہنے لگا۔ اسے روکنے میں میری کوشش ناکام رہی ؎

حکمِ حق ایں آب در کشتِ تو راند
مرو شاداں گشت و الحمد بخواند۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے پانی تیرے کھیت میں بہہ کر آ گیا ہے۔ یہ بات سُن کر زاہد بڑا خوش ہوا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا کہ جمعہ کی نماز بھی مل گئی اور کھیت بھی سینچا گیا۔ دنیا کا معاملہ عجیب ہے ؎

ہر کہ کارِ دین کند دنیائے دوں
ہر سرش ریزد زبون و سرنگوں۔

جو شخص دنیا سے بے پرواہ ہو کر دین کے کام میں لگ جاتا ہے۔ اور آخرت سنوارنے کی فکر کرتا ہے تو کمینی دنیا زبوں حال ہو کر اپنے آپ کو اس پر نچھاور کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے روزی ایسے ذریعے سے پہنچاتا ہے، جو اس کے وہم و گمان سے بالاتر ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ؎

ور بدنیا سر فرد آری زِ شک
لَا یُبَالِی اللّٰہُ فِیْ وَادٍ ھَلَکْ

اگر تم اس حقیقت میں شک کرو گے، اور دنیا کے سامنے جھک جاؤ گے، اور لالچ میں پڑ جاؤ گے۔ تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں ہے کہ تم شک کی وادی میں ہلاک ہو جاؤ۔ (از اختتام مثنوی مولانا رومؒ از مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ)

(صحیح ہے) مَنْ جَعَلَ الْھُمُوْمَ ھَمًّا وَاحِدًا ھَمَّ اٰخِرَتِہٖ کَفَاہُ اللّٰہُ ھَمَّ دُنْیَاہُ

ترجمہ: جس شخص نے تمام غموں کو ایک غم بنا لیا، یعنی آخرت کا غم لگا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے غموں سے نجات دے گا۔

چوتھی صدی ہجری میں علم الاعجاز کا ارتقاء

حبیب الرحمن تونسوی

تاریخ کے اوراق الٹنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل عرب نے ابتداء قرآن پاک کو فقط ایک مصدر تشریعی کی حیثیت سے جانا تھا، وہ صرف اسے اپنے معاشرے سے متعلق قضایا کا مرکز سمجھتے تھے۔ اسلئے ان کی تمام تر توجہ صرف اس بات پر تھی کہ قرآن نے نماز فرض کی ہے۔ زنا کو حرام قرار دیا۔ بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا۔ ہر طبقے میں معیشت کی بحالی کیلئے زکوٰۃ، عشر اور خمس کا نفاذ کیا اور اسلامی معاشرے کی اصلاح و تربیت کے لئے حدود نافذ العمل ہوئیں۔

انہوں نے قرآن کے اسلوب و بلاغت فصاحت و اعجاز پر کوئی خاطر خواہ نگاہ نہ ڈالی۔ چونکہ ان کی نظر میں قرآن پاک ایک مصدر تشریعی کی حیثیت رکھتا تھا لہٰذا ان کی تمام تر توجہ اسی طرف مبذول رہی۔ جس کے نتیجہ میں سب سے پہلے علم تفسیر، علم فقہ اور علم الاحکام ظہور پذیر ہوئے۔ ان علوم کی اتباع میں شرعی طور پر علم نحو و صرف اور علم الفقہ کا حصول ہوا۔ غرضیکہ قرآن پاک کی انہیں جوانب پر علماء کرام نے اپنی تمام تر علمی قوتیں اور صلاحیتیں صرف کیں۔ اور یہ سلسلہ فترۃ وحی سے لیکر عہدی اموی تک جاری رہتا ہے۔ اور ہمیں قرآن مجید کے اعجاز اس کی بلاغت و فصاحت کے متعلق جس سے فصحاء قریش بھی عاجز آ گئے تھے۔ کوئی آثار نہیں ملتے۔ مگر عہد اموی کے آخر میں جب اسلامی سلطنت کی حدود کا دائرہ وسیع ہوگیا اور نو مسلم قوتوں کا عربوں کے ساتھ اختلاط شروع ہوگیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان شعوب کے نظریات اور ثقافت فکر اسلامی میں شامل ہونے لگے اور جب نظریات اور ثقافات فکر اسلامی کے ساتھ ملنے لگے تو اعدائے اسلام نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی تمام تر کوششیں مسلمانوں کی کتاب کی طرف مرکوز کر دیں، اور انہوں نے چاہا کہ جسطرح انکے آباؤ اجداد نے آسمانی کتابوں میں تحریف و تبدیل کی اسی طرح اس آخری کتاب کو بھی باپ دادا کی اتباع میں ہدف تغییر و تبدیل بنایا جائے۔ لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملحدین نے اس کتاب محفوظ کے معانی کی غلط تاویلیں اور رد و بدل کرکے عوام الناس میں مختلف شکوک و شبہات پیدا کرنے کی سعی لاحاصل ان امور کے پیش نظر اس چیز کی اشد ضرورت تھی کہ اہل علم اس عیارانہ حرکت کو (جو ملحدوں کے ہاتھوں رونما ہوئی)۔ کچلنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، اور اس پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں جو مستقبل میں ان کے دین کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ کا سبب بنے، اور وہ ہاتھ کاٹ دیں، جو ایک ایسی کتاب کی تحریف کے لئے اٹھے ہیں، جسمیں تمام کائنات کی نجات کے راز پنہاں ہیں، اور قرآن پاک کے اس امر کی طرف توجہ دیں جو ان کے دین کے لئے ایک مضبوط رسی کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کے قاعدہ توحید کے لیے ایک عظیم ستون اور ایک مکمل نظام ہے۔ جو ان کے نبیؐ کے سچا ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور جو پیارے نبیؐ کے معجزے کا سب سے بڑا ثبوت، سب سے بڑی حجت اور سب سے بڑا بیان ہے۔ جب ان امور کی طرف توجہ بڑھی تو علم الکلام وجود میں آیا اور یہی علم الکلام علم الاعجاز کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

ابتداء میں علم اعجاز القرآن کو کوئی

منفرد موضوع کی حیثیت سے نہ جانا جاتا تھا، بلکہ دوسرے دیگر علوم کے ضمن میں اسی کا ذکر آجایا کرتا تھا اور خاص کر ان بحوث میں جو نبوت اور معجزہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مثال کے طور پر امام ابنِ قتیبہ نے قرآن پاک کے متعلق ملحدین کے ہر شکوک کے ازالے کے لیئے ایک کتاب لکھی اور اس کا نام (تاویل مشکل القرآن) رکھا، اسی طرح ابو الحسن اشعری نے (مقالات اسلامیہ) الجاحظ نے (حجج النبوۃ) اور ابوالحسن الخیاط نے (الانتصار) کے نام سے مؤلفات تصنیف کرکے اعجاز القرآن کے موضوع کو زیرِ بحث بنایا۔

یا بعض مفسرین نے سیاقِ تفسیر [1] میں اس کا ذکر کیا۔ ان میں سے مجاہد جبیر متوفی (۱۰۳ھ) قرآنِ پاک کے اعجاز کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ ”قرآن پاک کا اعجاز ہمارے نزدیک اس کی وہ رسالت علیا ہے جو تمام بشریت کیلئے نفع بخش ہے۔ اس کا پیغام لوگوں کو خدا کی وحدانیت کی طرف بلاتا ہے۔ انہیں وہ راہ دکھلاتا ہے جس میں ان کیلئے صلاح و بھلائی ہے، جس میں ان کی سعادت دنیوی اور اخروی پائی جاتی ہے بیشک قرآن کا اعجاز اسی پیغام کا ہے۔ جو زندگی اور قافلہ انسانیت کو صراط مستقیم کی طرف گامزن کرتا ہے۔ وہ راستہ دکھلاتا ہے۔ جو تمام لوگوں کیلئے سب سے بڑھ کر نفع مند اور سب سے بہتر ہے کیونکہ یہ تمام جہانوں کے لیئے روزِ جزا تک کا پیغام ہے۔ یہ نہ کسی خاص امت کے لیئے نہ کسی خاص زمانے کے لیئے اور نہ کسی خاص خطۂ ارض کے لیئے بلکہ یہ تمام امتوں کے لیئے فی کل زمان اور فی کل مکان کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱) مقدمہ تفسیر جلد ۱۳، تحقیق عبدالرحمان طاہر السورتی، مجمع البحوث العلمیہ اسلام آباد۔

اسی طرح امام ابن جریر الطبری متوفی ... ۳۱۰ھ تفسیر کے سیاق میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔

مفسرین کے ساتھ ساتھ بعض نحوی بھی اس موضوع میں شغف رکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے ابو عبیدہ بن المثنیٰ متوفی ۲۱۰ھ نے (مجاز القرآن) اور ابوزکریا الفراء متوفی ۲۰۷ھ نے (معانی القرآن) میں اعجاز القرآن کے موضوع کو زیرِ بحث بنایا، غرضیکہ تیسری صدی ہجری تک اس موضوع کو انفرادی حیثیت نہ مل سکی، چونکہ یہ علم علم الکلام کی ایک فرع تھا، اس لئے مختلف فرقوں میں علم الکلام پر صراع و نزاع شروع ہوا تو ہر ایک فرقے نے اعجاز القرآن کے موضوع کو اپنی اپنی آراء کے مطابق ڈھالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ تیسری صدی کے آخر میں اسے ایک منفرد موضوع کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

تیسری صدی کے آخر میں جو مؤلفات صفحۂ تاریخ پہ رونما ہوئیں وہ زیادہ تر (نظم قرآنی) کے نام سے منسوب کی گئیں۔ اس دور کی قابلِ ذکر ہستی جس نے اعجاز قرآن کے موضوع کو کافی وسعت دی، وہ ابو عثمان الجاحظ (متوفی ۲۰۰ھ) کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کی تصنیف شدہ کتاب (نظم القرآن) ہم تک نہ پہنچ سکی، مگر وہ اسی کتاب کا حوالہ اپنی ایک اور کتاب (حجج النبوۃ) میں کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی دیگر کتب میں بھی اس موضوع پر بحث شدہ آثار ملتے ہیں، جن کا مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، جاحظ کے نزدیک اعجاز قرآن کی دو وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ: نظم القرآن: قرآن پاک کا اعجاز اس کی نظم، اسکی ساحرانہ ... فصاحت و بلاغت اور اس کے خصائص بیانی ہیں، پس قرآن پاک بلاغت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہے اور اس کا اعجاز عروج کی تمام بلندیاں کو پار کر چکا ہے، جب قریش کے سلاطینِ شعر و خطبہ کو چیلنج کیا گیا تھا کہ لاؤ اس جیسی ایک سورت تو سوائے اعتراف حقانیت کے ان

اسی ولید بن المغیرہ کے ذم میں سورۃ مدثر اتاری گئی تھی، جب اس نے کہا کہ یہ تو جادو ہے، جو سنتے ہی اثر کرتا ہے سورہ مدثر کی یہ آیت (فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ) ترجمہ اس نے کہا نہیں ہے یہ سوائے اثر کرنے والے جادو کے۔

سے کچھ نہ بن پڑا۔ یہاں تک کہ ولید
بن المغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے قرآن پاک سننے کے بعد
اصل قریش سے کہہ اٹھتا ہے کہ "خدا کی
قسم تم میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ
نہ شعر سے واقف ہے اور نہ اس
کے اجز سے نہ اس کے قصید سے
سے اور نہ ہی اشعار جن سے مگر
خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جو کچھ کہتے ہیں وہ اس سے بالکل
مطابقت نہیں رکھتا۔ خدا کی قسم اس
کے قول میں ایک مٹھاس ہے۔ ایک
کشش ہے۔ وہ جادو کے سوا
کچھ نہیں ہو سکتا۔ بے شک اس پر
حاوی ہونا ناممکن ہے۔ بلکہ اس کا
کلام تمام کلاموں پر حاوی رہیگا (۱)

دوسری وجہ (الصرفہ) جاحظ کے نزدیک
دوسری وجہ (صرفہ) ہے اسی سے
مراد یہ ہے کہ قرآن پاک فصاحت و
بلاغت اور حسن نظم کے اعتبار سے
طاقت بشری اور اس کی مقدرت سے
باہر نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت کے
خطباء و شعراء و بلغاء میں یہ استعداد
تھی کہ قرآن پاک کے مقابل کوئی
کلام پیش کر سکیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ
نے ان کی قوت بیانی چیلنج کے وقت
سلب کر لی تھی۔ اس لئے وہ ایسا نہ
کر سکے (۲)

چونکہ ابوعثمان معتزلی تھا اور یہ
رائے اس کے استاد ابو اسحاق
کی رائے ہے۔ اس لئے جاحظ نے
اسے ورثہ، قلمبندی کے سبب قبول
کر لیا۔ لیکن جمہور علماء نے اس کا شدت
سے انکار کیا ہے۔ امام ابوبکر الباقلانی
اپنی کتاب اعجاز القرآن اس کے رد
میں کہتے ہیں کہ (اگر اس وقت کے
خطباء و شعراء کی قوت گویائی سلب کر
لی گئی تھی۔ لیکن ان سے پہلے زمانہ
جاہلیت کے شعراء و خطباء کی قوت
بیانی و گویائی تو ضبط نہیں کی گئی تھی۔
حالانکہ وہ فصاحت و بلاغت اور حسن نظم
کے اعتبار ان کے ہم پلہ تھے مگر
ان کے کلام میں بھی مقابلے کی کوئی
چیز نہیں ملتی۔ پس جب ان سے
پہلے سلاطین کلام سے کوئی چیز نہیں
پائی جاتی تو مدعی کا یہ دعویٰ کہ
انکی قوت بیانی سلب کر لی گئی تھی۔
سراسر غلط ہے۔ نیز قرآن پاک یہ
چیلنج اس وقت کے لوگوں کے لئے
ہی نہیں تھا۔ بلکہ یہ قیامت کے آنے
والے لوگوں ہر وقت اور عصر
کے لئے ہے۔

آج چودہ سو سال گزر
جانے کے بعد بھی کوئی واقعہ ایسا
نہیں ملتا جو ہمیں یہ بتائے کہ کسی نے
قرآن کا معارضہ کیا ہو۔ فرضی طور
پر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس
وقت کے لوگوں کا عاجز آنا ان کی قوت
بیانی کے واپس لینے کی وجہ سے
تھا، تو اب اتنا عرصہ گزرنے کے
بعد (جب کہ کسی کی قوت بیانی سلب
نہیں کی گئی) اس کلام کو کوئی کیوں نہیں
پیش کر سکا۔ اس لیے یہ کہنا کہ (صرفہ)
بھی اعجاز کی ایک وجہ ہے۔ قرآن
پاک کے اعجاز کو نقطۂ عروج سے
گرانے کے مترادف ہے۔

(۱) دیکھئے "الشفاء" القاضی عیاض (ج ۱) ص ۲۶۲ (ط التجاریۃ مصر
(۲) اعجاز القرآن، ص ۱۵ ط محمد علی صبیح ت الباقلانی
(۳) " " ۳۰ " " "

تفسیرِ حیاتِ اولیاءؒ

حکیم آزاد شیرازی

شارحِ حق، قاطعِ اوہام تھے احمد علیؒ
تیغِ قرآں، خنجرِ اسلام تھے احمد علیؒ

زندگی اُن کی تھی تفسیرِ حیاتِ اولیاءؒ
دینِ فطرت کا حسیں پیغام تھے احمد علیؒ

وہ شریعت کے تھے عالم، اور طریقت کے امام
ساغرِ جم — معرفت کا جام تھے احمد علیؒ

قوم نے اس نعمتِ حق کی نہ کی آزاد! قدر
اصل میں — اللہ کا انعام تھے احمد علیؒ

بقیہ: تبصرہ کتب

ہیں ان سے جو توقعات وابستہ تھیں وہ ادھوری رہ گئیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم اس بات پر افسوس فرماتے کہ ہندوستان کے مدارس کی کوئی مستقل تاریخ موجود نہیں لیکن اس ہونہار بروا کے اس مقالہ نے گویا ان کی خواہش کی تکمیل کر دی اور انہوں نے اپنے قیمتی مقدمہ سے اس مقالہ کو کتابی شکل دے دی۔ جو آج سے قریباً نصف صدی قبل اعظم گڑھ سے چھپی اور اب مکتبہ خاور نے فوٹو لے کر اس گلدستہ کو اہل علم کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ ہندوستان کی علمی ترقی پر تحقیقی کام کرنے والے سکالروں اور عام اہلِ علم کے لیے یہ نایاب سرمایہ ہے۔ امید ہے کہ اس کی قدر کی جائے گی۔

(علوی)

تعارف و تبصرۂ کتب

فقہائے ہند، جلد چہارم حصہ اول

مولانا محمد اسحٰق بھٹی کی معرکۃ الآرا کتاب فقہائے ہند کے ابتدائی تین حصوں پر ان صفحات میں تبصرہ ہو چکا ہے۔ چوتھی جلد کا حصہ اوّل گیارھویں صدی ہجری کے علماء و فقہاء کی کاوشوں اور ان کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس صدی میں ۱۲۶ حضرات کا ذکر ہے۔ جن میں حضرت الامام مجدد الف ثانی قدس سرہ اور شیخ عبدالحق رحمہ اللہ جیسے حضرات شامل ہیں۔ ادھر حکومتی اعتبار سے یہ دور جلال الدین اکبر کا تھا۔ جو خاندان مغلیہ کا چشم و چراغ اور مضبوط ترین بادشاہ تھا۔ یہ بادشاہ جو اپنے باپ کے دور ابتلاء میں مسافرت و غربت کے عالم میں پیدا ہوا اور کئی بار دشمنوں کے نرغہ میں پھنسنے کے باوجود زندہ سلامت رہا۔ بڑے عجیب و غریب افکار کا مالک تھا۔ مصنف کے نزدیک اکبر کی مذہبی زندگی کے تین دور تھے جن میں سے پہلا دور تو انتہائی بہتر دور تھا جبکہ دوسرے دو میں بعض اہل علم کی ہی افسوسناک روش کے پیش نظر اس کا معاملہ دگرگوں ہو گیا لیکن آخر میں وہ پھر بدلا اور کم از کم اس کے دربار پر تو ایسے لوگ قابض ہو گئے جنہیں دیندار اور نیک فطرت کہنا چاہیئے۔ بدقسمتی سے بعض لوگ ان سلاطین اور حکمرانوں کو ملحد و زندیق اور کافر و جہنمی ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اپنی تمامتر کمزوریوں کے باوصف یہ لوگ بہ حیثیت مجموعی دین و ملت کے مخلص خادم تھے اور اگر کبھی ان کے رویہ میں خرابی پیدا ہوتی

تو اس کا سبب عجیب و غریب خارجی عوامل تھے جو آئندہ چل کر بندگان خدا کی محنت سے دور ہو گئے ۔۔۔ بہرحال فاضل مصنف نے اپنے تحقیقی مقدمہ میں اکبری افکار کے مختلف ادوار پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اس کی علمی سرپرستی اور اہل علم سے تعلقات کا نقشہ خوب سے خوب تر کھینچا ہے۔ اور ماضی کے ایک نازک دور کی سچی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے ہمارے خیال میں یہ حصہ بوجوہ بہت اہم ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ اہل علم اسی انداز سے اسے پڑھیں گے اور ضرورت محسوس ہوئی تو علمی اور سنجیدہ تنقید سے دفتر علم و تاریخ کو مالا مال کریں گے ہم اس سنجیدہ کاوش پر ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ارباب حل و عقد اور فاضل مصنف کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

کتاب -/۱۶ روپے میں ادارہ کے دفتر کلب روڈ سے دستیاب ہے۔

حیات امّ المومنین رض

مرتّب: میاں محمد سعید صاحب
قیمت: اکیس روپے صرف
ملنے کا پتہ: حذیفہ پبلیکیشنز آفندی منزل آرام باغ کراچی

صدیقۂ کائنات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمارے پیغمبر علیہ السلام کی محبوب بیوی اور خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزیز ترین صاحبزادی ہیں۔ رحمت دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حرم میں داخل ہونے کے سبب

حضرت ام المومنینؓ کی عظمت سوا
ہو گئی اور جب ایک موقعہ
پر انہیں نشانہ ملامت بنایا
گیا تو خدائی غیرت نے اس
مسئلہ کا حل قرآن کریم میں
پیش فرمایا اور اماں عائشہؓ کی
پاکدامنی و عفت پر مہر تصدیق
ثبت کر دی۔ حضور علیہ السلام
کی اس چہیتی اور محبوب بیوی
نے صاحب اسوۂ حسنہ کی محبوب
مبارک زندگی کا وہ حصہ جو
گھریلو معاشرت سے تعلق رکھتا ہے
اس کی تمامتر جزئیات کو بکمال و
تمام محفوظ کر کے ملتِ مسلمہ
تک پہنچایا اس کے علاوہ دوسرے
اہم ترین مسائل میں آپ کی
روایات اور مجتہدانہ فیصلے ملت
کا عظیم سرمایہ ہیں۔ ایک حقیر
اقلیت اس ذات اقدس کی تو
دشمن ہے ہی اپنوں نے بھی
حق ادا نہیں کیا اور اس ذات
گرامی کے احسانات کا بدلہ چکانے
کی فکر نہیں کی۔ علامہ سید سلیمان
ندوی مرحوم غالباً پہلے بزرگ تھے
جنہوں نے اس صدیقۂ کائنات کی
سیرت و سوانح پر قلم اٹھایا اور
دارالمصنفین کی اعلیٰ ترین روایات
کے پیش نظر بہرحال ایک کارنامہ
سرانجام دیا لیکن اس کے بعد
جو نئے نئے ماخذ سامنے آئے
اور تحقیق کی نئی راہیں کھلیں۔
ان کے مطابق اس محسنۂ امت
کی سوانح پر جدید انداز سے
ایک کتاب مرتب کرنا وقت
کی اہم ترین ضرورت تھی۔ اللہ
تعالیٰ نے یہ سعادت ایک ایسے
صاحب کے مقدر میں رکھی جو
بظاہر اس لائق کے آدمی نہیں
اور وہ ایک "ٹرک اڈہ" کے
مینجر ہیں لیکن قدرت کے دست
فیاض کا کمال ہے کہ ایسے
ماحول میں پھنسے ہوئے ایک
انسان نے اس کام پر کمر باندھی
اور اتنی خوبصورت اور محققانہ
کتاب لکھ ڈالی کہ بے ساختہ
قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔
اس سے قبل حضرت محسنۂ امت
کی سیرت پر میاں صاحب کی
ایک مختصر کتاب ہزاروں کی
تعداد میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اب
یہ مفصل سوانح سامنے آئی ہے
اور اس میں ایک سوانح کی
تمامتر خوبیاں موجود ہیں۔ اور
پھر ظاہری آرائش از قسم کتابت
طباعت اور جلدبندی کا جتنا
اہتمام کیا گیا ہے وہ سونے پر
سہاگے کے مترادف ہے۔ ہمیں
یقین ہے کہ برادران اہلسنت و
جماعت اپنے محبوب نبی کی زوجہ
محترمہ کے حالات زندگی سے آگاہی
حاصل کرنے اور انہیں حرز جاں
بنانے کے لیے اولین فرصت میں
یہ کتاب حاصل کریں گے۔ اللہ
تعالیٰ مرتب و ناشر سبھی کو
بہترین جزا عطا فرمائے۔

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں

از مولوی ابوالحسنات ندوی مرحوم
قیمت: ۶/ روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ خاور مسلم مسجد لاہور

ہندوستان جنت نشان کی
تاریخ ہر اعتبار سے اتنی شاندار
ہے کہ بایدو شاید لیکن اس کا
تعلیمی و تہذیبی ورثہ تو ایسا ہے
کہ ایک دنیا اس پر رشک کرتی
ہے۔ یہاں کے اہل علم نے
علمی دنیا میں جو کارہائے نمایاں
سرانجام دئے اور جس محنت
سے علمی روشنی پھیلائی اس کے
آثار و برکات دنیا کے چپے
چپے پر محسوس کئے جا سکتے
ہیں۔ زیر نظر تالیف ان درسگاہوں
کی ایک ہلکی پھلکی تاریخ ہے۔
جن میں سے ہر درسگاہ بلاشبہ
مادرِ علمی کہلانے کی مستحق تھی۔
مولوی ابوالحسنات صاحب مرحوم
نے اعظم گڑھ کے علمی ماہنامہ
معارف میں بالاقساط اس عنوان
پر یہ مقالہ لکھا۔ جس کو اہل
نظر نے ازحد پسند کیا لیکن
افسوس کہ فاضل مقالہ نگار جوانمرگی
کا شکار ہو گئے اور یوں علمی دنیا

باقی ۲۹ پر

ٹیلی فون نمبر ۶۷۵۴۵ | ہفت روزہ خدام الدین لاہور | رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

- قرآن کریم مع ترجمہ حضرت الامام لاہوری ؒ و ربط آیات جس کو برّ صغیر کے ہر مکتب فکر کے مستند علماء نے پسند کیا۔ ہدیہ قسم اول ۷۰/ روپے قسم دوم ۵۰/- روپے
- خطبات جمعہ: حضرت لاہوری ؒ کے مشہور عالم خطبات جمعہ جسے نئے انداز سے دو حصوں میں طبع کرایا جا رہا ہے۔ (زیر طبع) حصہ اول ۱۸/- حصہ دوم ۲۱/-
- مجالس ذکر: حضرت ؒ کی اصلاحی تقاریر کا قیمتی خزانہ، نیا انداز نئی ترتیب۔ حصہ اول: ۱۸/- روپے۔ حصہ دوم: ۲۱/- روپے (زیر طبع)۔
- اسلامی تعلیمات: حضرت مولانا عبید اللہ انور ؒ کے خطبات و مواعظ کا قیمتی مجموعہ۔ ہدیہ: ۲۴/- روپے
- ملفوظات: حضرت لاہوری ؒ کے ملفوظات کا دل آویز گلدستہ۔ ۷/۵۰ "
- گلدستہ صد احادیث نبوی ترجمہ و تشریح حضرت لاہوری ؒ۔ ۱/۵۰
- خلاصۃ المشکوٰۃ: حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ کا خلاصہ۔ حضرت لاہوری ؒ کی محنت کا شاہکار۔ ہدیہ ۵/۰۰
- اصلی حنفیت:۔ مذہب حنفی کی سچی تصویر حضرت لاہوری ؒ کے قلم سے۔ ۱/۵۰
- ہماری آزادی: مولانا ابو الکلام آزاد کی مشہور زمانہ کتاب کا اردو ترجمہ خوبصورت کتابت و طباعت اور مضبوط جلد صفحات ۵۵۰ سے زائد۔ قیمت ۲۵/- روپے
- یدِ بیضا: حضرت لاہوری قدس سرہ کے شیخ و مربی حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط سوانح حیات۔ حامی عبیدی کے قلم سے! ہدیہ ۲۵/-

حضرت لاہوری قدس سرہ کے ۲۵ رسائل کا سیٹ بھی انشاء اللہ عنقریب تیار ہو جائے گا۔

المعلن:۔ ناظم شعبہ نشر و اشاعت انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور۔

منظور شدہ محکمہ تعلیم: ۱۔ لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G ۱۶۳۲۱ مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۶ء ۲۔ پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری TBC ۲۲۴-۲۲۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء ۳۔ کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۰۷۶/۹/۳۹-۹-۵۸ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۶۴ء ۴۔ راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو GM/۲۰-۱۵۳۱۰ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۶۷ء